ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

کلیہ علوم اسلامیہ و شرقیہ
جامعہ پنجاب ○ لاہور

علم تفسیر

عہد بہ عہد

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

کلیہ علوم اسلامیہ وشرقیہ
پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان۔

مولف	....	ڈاکٹر محمد سعد صدیقی
کتاب	....	علم تفسیر عہد بہ عہد
ناشر	....	ڈین کلیہ علوم اسلامیہ و شرقیہ، جامعہ پنجاب لاہور۔
کمپوزر	....	رانا محمد یوسف
مطبع	....	ادبستان، لاہور
بار اول	....	جنوری ۲۰۰۱ء
تعداد	....	۵۰۰
قیمت	....	ایک سو روپے

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

باب اول ......عہد نبویؐ

باب ثانی ......عہد تابعین

باب سوم ......عہد تدوین

حرف چند

تہذیب اسلامی میں علوم اسلامیہ کو بنیادی و اساسی حیثیت حاصل ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا کہ اقرأ سے پھوٹنے والی تہذیب اسلامی میں عمل وتقوی اور علوم اسلامیہ شانہ بشانہ چلتے نظر آتے ہیں علوم اسلامیہ میں علم تفسیر، حدیث اور علم فقہ اِس تہذیب کی اصل الاصول ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریمؐ کا عہد مبارک ہو یا صحابہ کا زمانہ تابعین کا دور ہو یا تبع تابعین کا ہر دور میں علوم اسلامیہ خصوصاً علم تفسیر، حدیث اور فقہ کے باغ و بہار میں ایسے شجرات طیبہ کی آبیاری کرنے والی جو اصلہا ثابت وفرعہا فی السمآء کا مصداق ہے، بے شمار شخصیات نظر آتی ہیں کہیں محدثین حدیث کے سند و متن پر بحث کررہے ہیں کہیں فقہاء استنباط احکام و مسائل میں مشغول ہیں تو کہیں مفسرین قرآن کریم کے علم و ادب کے سمندر میں غواصی کررہے ہیں۔

علوم اسلامیہ میں علم تفسیر سب سے افضل و اشرف علم ہے، اِس علم کا آغاز و ارتقاء کیسے ہوا، اس علم کا تاریخی پس منظر کیا ہے، اس تاریخ کو جاننے کیلئے ڈاکٹر محمد سعد صدیقی استاد ادارۂ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب کی کتاب جو علم

تفسیر کی تاریخ کے ابتدائی تین ادوار پر مشتمل ہے پیش خدمت ہے۔ اُمید ہے کہ وہ ان شاء اللہ اس سلسلے کو پایہ تکمیل جلد پہنچائیں گے

اس کتاب میں جو اُن کے (Ph.D) کے مقالے کا حصہ ہے انیسوین صدی تک کے تفسیری رجحانات و میلانات پر گفتگو کی گئی ہے۔

بیسویں صدی کے تفسیری رجحانات کیا ہیں اور خصوصاً برصغیر نے اس سلسلہ میں کیا خدمات سرانجام دی ہیں، وہ اِس سلسلہ کی اگلی کڑی ہوگی۔

حق جل مجدہ ہمیں اِن علوم سے فیضیاب ہونے کی ہمت اور توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

جمیلہ شوکت

حرفِ اوّل

علوم اسلامیہ کی تاریخ جاننا، اُن کے آغاز و ارتقاء کے مراحل سے واقف ہونا ہر مسلمان کے لیے نہایت ضروری ہے خصوصاً علوم اسلامیہ کے طلبہ و اساتذہ کو علوم اسلامیہ کی تاریخ اور اُن کے عروج و ارتقاء کی منازل سے واقف ہونا یوں بھی زیادہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اُمت میں اِس حوالہ سے پھیلنے والے شکوک و شبہات کو رفع کیا جاسکتا اور علوم اسلامیہ کی تدوین و تاریخ سے متعلق جو غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، ان کو دلائل کے ساتھ رد کیا جاسکتا ہے۔ مثلا کہا جاتا ہے:

i) علم حدیث کی تحریر و تدوین کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے تقریباً ڈھائی سو سال بعد ہوا۔

ii) علوم فقہ کے متعلق یہ غلط فہمی ہے کہ اِس میں رائے اور قیاس کو اولین اساس و بنیاد بنایا گیا۔

iii) اور علوم تفسیر سے متعلق یہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ تفسیری روایات کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں

حق جل مجدہ کا یہ بڑا کرم و احسان ہے کہ:

پی ایچ۔ ڈی کے مقالہ کی تکمیل کے سلسلہ میں علم تفسیر کی تاریخ، تدوین اور آغاز سے متعلق معلومات جمع کرنے کا اتفاق ہوا۔

میں تہہ دل سے شکرگزار ہوں ڈین فیکلٹی علوم اسلامیہ و شرقیہ محترمہ ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ کا جنھوں نے مجھے اِن بکھری ہوئی معلومات کو دوبارہ یکجا کرنے پر آمادہ کیا اور آج اُن کی یہ ابتدائی سی کوشش آپ کے ہاتھوں میں ہے جو علم تفسیر کی ابتدائی تاریخ پر مشتمل ہے بیسویں صدی کے تفسیری رجحانات اور برصغیر کے تفسیری رجحانات اِس سلسلہ کی اگلی کڑی ہوگی۔ یہ ایک طالبعمانہ کوشش ہے جس میں بہتری کی یقیناً بہت گنجائش موجود ہے۔ صاحبان علم وقلم اِس میں جو فروگذاشت محسوس فرمائیں بلا تکلف ناچیز کو مطلع فرمائیں۔

اللہ کریم میری اس کوشش کو شرف قبول عطا فرمائے اور میرے لیے ذخیرہ آخرت اور اہل علم کے لیے ذریعہ استفادہ بنائے۔ آمین۔

محمد سعد صدیقی

۳۰/ شوال المکرّم ۱۴۲۱ھ

مقدمہ

تفسیر — لغوی معنی:

لفظ تفسیر کا مادہ "فسر" ہے علماء لغت فسر کے معنی، کشف اور اظہار کرتے ہیں۔

جوھری الصحاح میں الفسر کے معنی البیان کرتے ہیں۔(۱) اور وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ طبیب کے مرض کی شناخت کے لیے مریض کا قارورہ دیکھنا تفسرہ کہلاتا ہے۔(۲)

ابن منظور لسان العرب میں الفسر کے معنی البیان کرتے ہیں۔ ابن منظور کے مطابق فسر کے معنی میں دو باتیں پائی جاتی ہیں۔

۱) بے حجاب کرنا۔

۲) بیان کرنا۔(۳)

تفسیر میں بھی مشکل الفاظ و معانی کو بے حجاب کرکے بیان کیا جاتا ہے۔ امام راغب تفسیر کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"الفسر اظهار المعنى المعقول ومنه قيل لما ينبئى عنه البول تفسرة وسمى به قارورة الماء" (۴)

ابوحیان تفسیر کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

سواری کا پالان اتار کر اس کی پیٹھ ننگی کرنے کو بھی تفسیر کہتے ہیں
کیونکہ ننگا کرنے میں کشف و اظہار کا مفہوم پایا جاتا ہے کہ:
زین اُتارنے سے جانور کی پیٹھ ننگی ہو کر سامنے آجاتی ہے۔" (۴)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں۔
فسر سے ماخوذ ہے اور لغوی اعتبار سے اس کے معنی کشف و بیان
کے آتے ہیں۔" (۵)

اہل لغت کے ان تمام بیانات میں مشترک طور پر یہ بات نظر آرہی ہے کہ تفسیر میں کسی مخفی اور پوشیدہ چیز کو ظاہر کرنا اور اگر وہ مخفی چیز کوئی معنوی اور علمی حقیقت ہے تو اس کو بیان بھی کرنا لغوی اعتبار سے تفسیر کہلاتا ہے۔

تفسیر — اصطلاحی معنی:

تفسیر کے اصطلاحی مفہوم پر گفتگو کرتے ہوئے حاجی خلیفہ لکھتے ہیں:

وھو علم باحث عن معنی نظم القرآن بحسب طاقۃ البشریۃ و بحسب
ما تقضیہ القواعد العربیۃ و مبادیہ العلوم العربیۃ واصول الکلام
واصول الفقہ والجدل وغیر ذالک من العلوم" (۶)

تفسیر وہ علم ہے جس میں طاقت بشری کی حد تک عربی زبان کے قواعد کے مطابق نظم قرآنی کے معنی سے بحث کی جائے، علم تفسیر کے لیے علوم عربیہ، عقائد و کلام کے علوم، علم اصول فقہ، بحث و مناظرہ اور دیگر بہت سے علوم ضروری ہیں)

علامہ زرکشی تفسیر کا اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"تفسیر وہ علم ہے جس کے ذریعہ اللہ کی کتاب جو نبی کریمؐ پر نازل
ہوئی کے مطابق، احکام اور حکمت سمجھی جاسکتی ہے۔"
یہ علم لغت و ادب، فقہ و اصول فقہ، علم تجوید و قراءت کے مطالعہ سے
حاصل ہوتا ہے، تفسیر کے لیے آیات کے شان نزول اور ناسخ و

منسوخ کا علم بھی ضروری ہے۔" (۷)

زرکشی کی یہ تعریف خلیفہ کی تعریف سے جامع تر ہے۔

ابوحیان نے علم تفسیر کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"التفسير علم يبحث فيه عن كيفية النطق بالفاظ القرآن الكريم ومدلولاتها واحكامها الافرادية والتركيبية و معانيها التى تحمل عليها حالة التركيب وتتمات لذالک" (۸)

(علم تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی کی کیفیت، الفاظ کی معانی، مفاہیم الفاظ کے مفرد واحکام اور مرکب جملوں کے مصداقات واحکام اور الفاظ کے جملوں میں آجانے یا ان کے تتمہ بننے کی صورت میں صحیح معنی پر بحث کی جائے)۔

مولانا کاندھلوی نے مقدمۃ التفسیر میں حاجی خلیفہ سے ملتی جلتی تعریف پیش کی ہے۔ مولانا لکھتے ہیں۔

"ان علم التفسير علم يبحث فيه عن معنى نظم القرآن بحسب قوانين العربية والقداعدا الشرعية بقدر طاقة البشرية(۹)

(علم تفسیر وہ علم ہے جس میں نظم قرآن کے معنی پر قوانین عربیت اور قواعد شریعت کی روشنی میں بقدر طاقت انسانی بحث کی جائے)

ان تمام تعریفات پر غور کرنے سے بنیادی طور پر دو باتیں سامنے آئیں۔

۱۔ تفسیر میں قرآن کے کلمات اور آیات کے معانی، مفاہیم، مدلول اور احکام پر بحث ہوتی ہے۔

۲۔ کچھ ایسے علوم وفنون ہیں جو علم تفسیر میں مبادیات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

علامہ آلوسی نے سات علوم بیان کیے ہیں۔

الف۔ علم لغت

ب۔ علم الاعراب

ج۔ علم المعانی والبیان

د۔ علم اصول الدین

ھ۔ علم الاحکام

و۔ علم الناسخ والمنسوخ

ز۔ علم القراءت۔(١٠)

اس سلسلہ میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ کسی علم کے مبادیات کے معنی ہوتے ہیں کہ انسان کو اس علم میں دسترس حاصل کرنے کے لیے پہلے ان علوم میں مہارت پیدا کرنی ہوتی ہے، اس کے بغیر وہ اس علم پر مکمل گرفت اور کامل دسترس حاصل نہیں کرسکتا۔ مثلاً میڈیکل کے علوم پر دسترس حاصل کرنے کے لیے سائنسی علوم مثلاً فزکس، کیمسٹری میں مہارت حاصل کرنی ہوتی ہے۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں علم تفسیر یا قرآن کریم ان علوم کا محتاج ہے یا قرآن اللہ کا کلام ہونے کے باوجود ان علوم کے قواعد وضوابط اور قانونی جکڑ بندیوں کے اندر گھرا ہوا ہے۔ بلکہ بقول حاجی خلیفہ علم تفسیر اپنی جلالت شان، اپنے شرف و امتیاز، اپنے موضوع و معارف اور اپنی غرض و غایت کے اعتبار سے تمام علوم میں سب سے زیادہ شرف وعظمت رکھنے والا علم ہے۔(١١)

مبادیات علوم کا حاصل کرنا ضرورت انسانی ہے، حاجتِ قرآن نہیں۔

تفسیر و تاویل میں فرق:

تاویل کے معنی بیان کرتے ہوئے جوھری لکھتے ہیں۔

تفسیر مایؤل الیه الشئی(١٢)

(کسی چیز کو جس معنی کی طرف موڑا گیا ہے، اُس معنی وضاحت تاویل کہلاتی ہے)

ابن منظور لسان العرب میں ابن الاعرابی کا قول نقل کرتے ہیں۔

"التفسیر والتاویل والمعنی واحد" (۱۳)

(تفسیر، تاویل اور بیان معنی ایک ہی چیز ہیں)

اس قول کو نقل کرنے کے بعد ابن منظور اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں اور اسے راجح قرار دیتے ہیں۔

"التفسیر کشف المراد عن اللفظ المشکل والتاویل رد احد المحتملین الی ما یطابق الظاھر۔" (۱۴)

(مشکل لفظ کے معنی کی وضاحت تفسیر اور ظاہری لفظ کے معنی میں دو احتمالوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کو تاویل کہتے ہیں)

اصفہانی تفسیر و تاویل میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تفسیر تاویل سے عام ہے، تفسیر کا لفظ عموماً الفاظ و مفردات کے معنی کے بیان کے لیے ہوتا ہے جبکہ تاویل کا غالب استعمال معانی اور جملوں میں ہوتا ہے۔" (۱۵)

مولانا کاندھلوی نے مقدمہ التفسیر میں تفسیر و تاویل کے فرق پر طویل بحث کی ہے۔ جس کا لب لباب ان الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

مولانا نے پہلے ابن حجر کی فتح الباری سے ماتریدی کا قول نقل کیا ہے۔

"تفسیر مراد اللہ کو یقینی طور پر متعین کرنے کو اور تاویل متعدد احتمالات میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کو کہتے ہیں۔" (۱۶)

مولانا نے اس قول کو نقل تو کیا ہے لیکن ترجیح نہیں دی، ترجیح آپ نے اس بیان کو دی ہے۔

"بیان اگر ظاہر کے مطابق ہو تو وہ قطعی ہوگا، اس کو تفسیر کہیں گے اور اگر بیان ظاہر کے مطابق نہ ہو تو اگر وہ قواعد کے مطابق ہو، قرائن

سے اس کی تائید ہوتی ہو، سیاق وسباق اس کی تصدیق کرتے ہوں تو وہ تاویل ہی، اب اگر یہ تاویل نبی کی جانب سے ہے تو قطعی ہے، ورنہ ظنی ہے، قرآن کریم میں سورۃ یوسف میں ویعلمك من تاویل الاحادیث(۱۷)، حضرت موسیٰ و خضر کے واقعہ میں ذالك تاویل مالم تسطع.علیه صبرا(۱۸) اور وما یعلم تاویله، الا الله(۱۹) میں تاویل کے معنی خلاف ظاہر مفہوم کے ہیں۔"

اس کے بعد مولانا نے شاہ عبدالعزیز کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے تفسیر و تاویل کا فرق نمایاں ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

شرائط تفسیر تین ہیں۔

۱۔ کلمہ ان معانی پر حقیقی طور پر یا مجاز متعارف کے طور پر دلالت کر رہا ہو۔

۲۔ معنی کلام کے سیاق وسباق کے مطابق ہوں۔

۳۔ علم تفسیر میں نبی کریمؐ اور صحابہ سے جو کچھ منقعول ہے، اس کے خلاف نہ ہو۔

اگر صرف پہلی شرط فوت ہو تو وہ تاویل قریب ہے، اگر دوسری اور تیسری شرط فوت ہو تو وہ تاویل بعید ہے اور اگر تینوں شرائط موجود نہ ہوں تو وہ تحریف ہے۔ (۲۰)

شاہ عبدالعزیز کے اس کلام کے بعد مولانا نے متاخرین فقہاء و متکلمین کا نظریہ نقل کیا ہے۔

"دلائل کے ذریعہ بہت سے احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کو ترجیح دینا، چنانچہ اگر یہ تاویل قرآن وحدیث کے مدلول کے مطابق ہے تو تاویل صحیح ورنہ تاویل فاسد۔" (۲۱)

اس تمام بحث سے دو باتیں نمایاں ہو کر سامنے آتی ہیں۔

۱۔ تاویل اور تفسیر ہم معنی نہیں بلکہ قریب المعنی الفاظ ہیں۔

۲۔ تاویل جو ظاہر الفاظ میں مخفی معنی کا بیان ہے اگر یہ معنی نبی کریمؐ نے بیان

کیے ہیں تو یہ قطعی ہیں ورنہ ظنی ہیں اور یہ ظنی معنی اسی صورت میں قابل قبول ہیں جبکہ وہ قران کریم، نبی کریمؐ کی احادیث مبارکہ کے مجموعی تصور سے متصادم نہ ہوں اور سیاق وسباق ان معنی کی جانب اشارات کرتے نظر آرہے ہوں، قرآن وحدیث کے مجموعی دینی تصور سے ہٹا ہوا یا اس سے متصادم مفہوم یا ایسے معنی کہ سیاق کلام اس پر دلالت کررہے ہوں نہ سباق کلام سے اس کی طرف کوئی اشارہ مل رہا ہو، ایسی تاویل قرآن کریم میں قابل قبول نہیں بلکہ یہ تاویل کی تعریف سے نکل کر تحریف کی صف میں داخل ہو جائے گی۔

ضرورت تفسیر:

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اس میں غور وفکر کی نہ صرف دعوت دی بلکہ اس کی تاکید بھی کی۔ ارشاد فرمایا گیا۔

افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا(۲۲)

کہیں ارشاد فرمایا گیا:

کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا آیاتہ ولیتذکر اولو الالباب(۲۳)

اسی طرح ارشاد فرمایا گیا۔

افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللّٰہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً(۲۴)

ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ قرآن حکیم کے دو مقاصد نزول یا قرآن کی دو دعوتیں بیان کی جارہی ہیں۔

۱) غور وفکر اور تدبر۔
۲) تذکیر ونصیحت۔

اول الذکر کا تعلق علم، عقائد ونظریات کی اصلاح سے ہے اور مؤخر الذکر

اصلاح عمل و اخلاق سے عبارت ہے۔

غور وفکر اور تدبر کی اس دعوت کو علماء امت نے قبول کیا اور قران کریم کے معنی، مفاہیم اور مراد کو پانے کی حتی الامکان سعی کی۔

غور وفکر کی اس دعوت کے علاوہ قرآن کریم نے اہل کتاب کی کتاب اللہ سے بے توجہی اور بدعہدی کا ذکر کیا۔

واذ اخذ اللّٰه میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیننه للناس ولا تکتمونه،
فنبذوه ورآء ظهورهم واشتروا به ثمناً قلیلاً فبئس مایشترون۔(۲۵)

(اور جبکہ اللہ تعالی نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ اس کتاب کو عام لوگوں کے روبرو ظاہر کر لینا، اور اس کو پوشیدہ مت رکھنا۔ سو ان لوگوں نے اس کو اپنی پس پشت پھینک دیا، اور اس کے مقابلہ میں کم حقیقت معاوضہ لیا سو بری چیز ہے جس کو وہ لوگ لے رہے ہیں۔)

اس بدعہدی، کتاب اللہ سے بے توجہی اور اس کی احکام کی توہین کرنے والوں کی سزا کا ذکر ان الفاظ میں کیا۔

ان الذین یشترون بعهد اللّٰه وایمانهم ثمناً قلیلاً اولئک لا خلاق لهم فی الآخرة ولا یکلمهم اللّٰه ولا ینظر الیهم یوم القیٰمة ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم(۲۶)

(یقیناً جو لوگ معاوضہ حقیر لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو اللہ تعالیٰ سے انھوں نے کیا ہے اور بمقابلہ اپنی قسموں کے ان لوگوں کو کچھ حصہ آخرت میں وہاں کی نعمت کا نہ ملے گا اور خدا تعالیٰ ان سے لطف کا کلام فرمائیں گے نہ محبت سے ان کی طرف دیکھیں گے نہ قیامت کے روز اور ان کو پاک کریں گے اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہوگا۔)

اللہ تعالیٰ کی اس قسم کی تنبیہات اور درد ناک عذاب سے بچنے کا یہی

طریقہ ہے کہ اللہ کی کتاب میں غور وفکر اور اس پر عمل کا جوحکم اس نے دیا ہے اس پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ علماء امت اس کتاب بین کو سمجھنے، سمجھانے اس پر غور وفکر، اس سے مسائل مستنبط کرنے اور اس پر تصنیف و تالیف میں مصروف ہوگئے تاکہ امت کی اس بنیادی ضرورت کو پورا کیا جائے۔ اور اس ذمہ داری کو پورا کیا جائے جس کے متعلق علامہ سیوطی فرماتے ہیں۔

"قد اجمع العلماء علی ان التفسیر من فروض الکفایات" (۲۷)

(علماء کا اس پر اجماع ہے کہ تفسیر قرآن کریم فرض کفایہ ہے)

چنانچہ علماء محققین نے اس فرض کفایہ کوادا کرنے کے لیے جن مراتب وانواع پر تفسیر مرتب کیں ان مراتب کو مختلف انواع میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ان انواع پر بحث سے پہلے ایک نقطہ نظر پر بحث ضروری ہے۔

قرآن کریم کا ابلاغ:

تفسیر کے لفظی اور اصطلاحی مفہوم، تفسیر و تاویل میں فرق اور ضرورت تفسیر پر اس بحث کے بعد مزید آگے بڑھنے سے پہلے ایک نقطہ نظر کی وضاحت ضروری ہے۔ اس نقطہ نظر کی رو سے نہ صرف یہ کہ تفسیر کی ضرورت نہیں ہے بلکہ قرآن کی تفسیر ناممکن بھی ہے اور آج تک قرآن کریم کی تفسیر نہیں ہوسکی۔ اس نقطہ نظر کا لب لباب یہ ہے۔

"تفسر کا مفروضہ اولیہ (Presumption) یہ ہے کہ بیان اول (قران کریم) میں جس مقصد کو ادا کیا گیا ہے۔اسے زیادہ قابل فہم، زیادہ واضح، اور زیادہ آسان بنا کر پیش کیا جاسکتا ہے، بالفاظ دیگر بیان اول کے مقصد کو بیان اول سے بہتر ادا کرنا ممکن ہے، گویا تفسیر کرنے سے قبل یہ فرض کرنا ضروری ہے کہ بیان اول مقصد کے ابلاغ میں ویسا کامیاب نہیں ہے جیسا کہ درکار ہے اس نقص کی تلافی بیان ثانی میں کی جاتی ہے۔" (۲۸)

اس نقطہ نظر پر غور کریں تو اس کی حسب ذیل بنیادیں سامنے آتی ہیں۔

۱) سب سے پہلی اور سب سے اہم بنیاد یہ ہے کہ تفسیر بیان ثانی ہے جبکہ بیان اول متن قرآن کریم ہے۔

۲) بیان ثانی یعنی تفسیر زیادہ واضح اور قابل فہم ہے اور مخاطب تک اُس مقصد کا ابلاغ جس مقصد کے لیے بیانِ اول یعنی قرآن کریم نازل ہوا، زیادہ بہتر انداز میں کر رہا ہے۔

۳) جب بیان ثانی بیان اول سے زیادہ بہتر، زیادہ آسان اور ابلاغ میں کامیاب ہے تو بیانِ اول کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

تفسیر کے لغوی اور اصطلاحی معنی پر غور کریں تو پہلی ہی نظر میں پہلی بنیاد منہدم ہو جاتی ہے۔ کہ تفسیر کے لغوی معنی کشف اور اظہار کے کیے گئے ہیں یعنی تفسیر کوئی نیا اور جدید بیان نہیں بلکہ بیان اول میں چھپے ہوئے معانی کے خزائن کو بے نقاب کرنے کا نام ہے۔ اسی کو ابوحیان نے پالان اتار کر سواری کی پیٹھ ننگی کرنے سے اور راغب نے معنی معقول و مفہوم کے اظہار سے تعبیر کیا ہے۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم جس مقصد کے لیے نازل ہوا، اس کا ابلاغ تفسیر کے بغیر ممکن ہے یا نہیں؟

اس سوال کے دو ہی جواب ہوسکتے ہیں ہاں یا نا۔ اگر جواب میں اثبات میں ہو تو تفسیر کی ضرورت کیونکر باقی رہ سکتی ہے اور اگر جواب نفی میں ہو تو پھر دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔

۱) ابلاغ نہ ہونے کی وجہ قرآن کریم کا نقص ہے؟

۲) ابلاغ نہ ہونے کی وجہ مخاطب کے ذھن و دماغ کا نقص ہے؟

اس بنیادی سوال کا قطعی جواب تلاش کرنے سے پہلے ہمیں حضرت عمر فاروق کی نقل کردہ اُس حدیث پر غور کرنا ہوگا جو آپ نے کتاب الٰہی کی عظمت و برتری بیان کرتے ہوئے منبر پر مسلمانوں کے سامنے نقل فرمائی۔ فاروق اعظم نے

فرمایا:

"یا ایھا الناس اما ان بینکم صلی اللہ علیہ وسلم قد قال ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً ویضع بہ آخرین"(۲۹)

(اے لوگو! بیشک تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یقیناً حق تعالیٰ شانہ اس کتاب کی بدولت بہت سی قوموں کو سربلند فرماتا ہے اور دوسری بہت سی قوموں کو اسی کی وجہ سے ذلیل و خوار اور پست کر دیتا ہے)۔

یعنی قرآن کریم ایسی کتاب بلیغ ہے کہ اس کے فہم و ادراک میں بہت سے لوگ جو نبی کریم کی ہدایات اور صحابہ کے اقوال کو مدنظر رکھتے ہیں، صحیح مفہوم و مراد پاتے ہیں اور عزت و سربلندی حاصل کرتے ہیں، اور جو ان ہدایات نبوی سے بے توجہی کرکے عقل کے گھوڑے دوڑا کر اس میدان کو سر کرنا چاہتے ہیں، ذلت و رسوائی سے دو چار ہوتے ہیں۔ نبی کریم کے اس ارشاد گرامی کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔

قرآن کریم اپنے ابلاغ مقصد میں یکتا اور بے مثل ہے لیکن وہ ایک ہی سورۃ، ایک واقعہ، ایک ہی آیت، ایک ہی لفظ ایک ہی حرف سے اس قدر کثیر مقاصد حاصل کرتا ہے کہ ہر انسان کی عقل ان کثیر مقاصد کی جانب متوجہ نہیں ہوسکتی۔ قرآن کریم میں ایک ہی واقعہ کو بار بار کیوں بیان کیا گیا ہے؟ کیا ہر مرتبہ اُس واقعہ سے ایک ہی سبق ملتا ہے، ہرگز نہیں، یہی قرآن کا اعجاز ہے کہ وہ ایک ہی واقعہ کو اس طرح مختلف انداز واسلوب سے بیان کرتا ہے کہ اُس واقعہ کے بنیادی اجزاء اور ان اجزاء کی ترتیب یکساں رہتی ہے لیکن ہر مرتبہ اُس ایک واقعہ سے ایک نیا سبق حاصل ہو رہا ہوتا ہے۔

قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور ایسا کلام ہے کہ جس کو خود باری تعالیٰ "قولاً ثقیلاً" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، ایسا کلام ہے کہ جو جب نبی کریمؐ پر نازل ہوتا تھا

تو شدید سردی میں بھی آپ کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی، شدید گرمی میں بھی آپ کپکپانے لگتے تھے، اگر سواری کی حالت میں وحی نازل ہوتی تو اونٹنی چلنے سے قاصر ہو کر وہیں بیٹھ جایا کرتی تھی، قرآن کی تجلی کا یہ عالم تھا کہ وہ نبی امی جو روایات کے مطابق نبوت سے پہلے تین مرتبہ شق صدر کے تجربہ سے گزر چکا تھا، جس کو کلام الٰہی اور ملاء اعلیٰ کی تجلیات کے تحمل کا خوگر بنایا جارہا تھا، وہ نبی امی جس کو معراج کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ اس سفر معراج میں وہ اُن بلندیوں تک پہنچا تھا جہاں تک روح الامین کی رسائی نہ تھی، اُس نبی امی کا قران کریم کے نزول پر یہ حال ہوتا تھا۔ کیا کسی امتی کی یہ جرات ہوسکتی ہے کہ وہ اس قول ثقیل تک، اس کلام تک اس برزخ کبریٰ کے واسطہ کے بغیر رسائی حاصل کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں............ ہرگز نہیں۔

اس کلام تک رسائی حاصل کرنے، اس کا ادراک کرنے، اس کے مفہوم کو پانے میں تفسر ہماری ضرورت ہے، قرآن کی ضرورت نہیں۔ یہ ہمارا قصورِ فہم ہے کہ ہم اس بلیغ کلام تک براہ راست نہیں پہنچ سکتے۔ فصاحت و بلاغت کے معیارات میں کہیں یہ بات نہیں لکھی کہ بلیغ کلام وہ ہے، جس کو سمجھنے کے لیے کسی دوسرے کلام، توضیح، تفصیل یا عملی نمونہ کی ضرورت نہیں آج دنیا غالب و میر کے کلام کو، شاعر مشرق کے تصورات کو علم و ادب اور عمل و فلسفہ میں بنیادی سنگ میل قرار دیتی ہے، غالب و میر کے شارحین اور فلسفہ اقبال کے ماہرین کیا اپنی تشریحات سے غالب و میر اور اقبال کے کلام کو غیر بلیغ ثابت کر رہے ہیں؟

مزید یہ کہ قرآن کو قرآن کیوں کہا جاتا ہے، ابو عبیدۃ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وسمی القرآن لانه یجمع السور و یضمها ویجمع العلوم" (۳۰)

(قرآن کا نام قرآن اسی لیے رکھا گیا کہ یہ سورتوں کو جمع کرتا اور ملاتا ہے اور علوم کو جمع کرتا ہے)

یعنی قران کا لفظ جمع و ترتیب کا تقاضہ کرتا ہے تو ظاہری شکل کی اعتبار سے قران نے ۱۱۴ سورتوں کو ایک خاص ترتیب سے اپنے اندر جمع کر رکھا ہے اور باطنی اعتبار اور معنوی لحاظ سے علوم کے بیش بہا خزائن اس کے اندر جمع ہیں۔ تفسیر اُن علوم کی نقاب کشائی کرتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لا تجتمع امتی علی الضلالة" (۳۱)
(میری اُمت گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی)

اگر تفسیر کے یہ معنی لیے جائیں جو اس "نقطہ نظر" میں بیان کیے گئے ہیں تو تفسیر ایک گمراہی ٹھہرتی ہے کہ ہر مفسر اپنے کلام کو قرآن سے زیادہ بہتر اور زیادہ قابل فہم ثابت کر رہا ہے۔

اِدھر اُمت کا حال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد ہو یا صحابہ کا زمانہ، تابعین کا دور ہو یا بعد کے مہ وسال، ہر دور میں، ہر عہد میں آپ کو مفسرین کی ایک بھرپور تعداد نظر آئے گی، محدثین اپنی کتب میں کتاب التفسیر کے عنوان کے ساتھ روایات تفسیر نقل کر رہے ہیں، فقہاء و اصولین، ان تفاسیر سے استفادہ کر کے مسائل مستنبط کر رہے ہیں۔ نبی صادق نے تو فرمایا کہ گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی، کیا نعوذ باللہ آپ کا فرمایا ہوا غلط ہے؟

"ومن يشاقق الرسول من بعد ماتبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ماتولى ونصله جهنم وساءت مصيرا" (۳۲)
(اور جو شخص اللہ کے رسول کی مخالفت کرے اور مؤمنوں کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ چلنے لگے تو ہم اُس کو اسی طرف لے جائیں گے جس طرف جانا اُس نے پسند کرلیا ہے اور اسے دوزخ میں پہنچا دیں گے۔ جو برا ٹھکانہ ہے)۔

مراتب تفسیر:

۱۔ تفسیر القرآن بالقران:

قرآن کریم میں بعض واقعات و احکام کو مکرر بیان کیا جاتا ہے، اس کی ایک حکمت یہی ہے کہ ایک مقام پر جو ایک بات مجمل کہی جاتی ہے کسی دوسرے مقام پر اُس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے، یہ تفسیر کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے۔

۲۔ تفسیر نبوی:

تفسیر کا دوسرا مرتبہ نبی کریمؐ کی سنت اور آپؐ کے اقوال و ارشادات ہیں کیونکہ نبی کریمؐ کی سنت مطہرہ قرآن کریم کی تفسیر اور اس کی عملی تصویر ہے۔

۳۔ آثار صحابہ:

نبی کریمؐ کی سنت اور آپکے اقوال کے بعد آثار صحابہ سے مزین تفسیر کا رتبہ ہے۔ یہ تینوں تفسیر بالماثور کے مراتب ہیں۔

۴۔ لغت عربیہ:

لغت و قواعد عربیہ کی روشنی میں جو تفسیر مرتب کی جائے۔

۵۔ تفسیر متشابہات:

قرآن کریم کے ایسے حقائق والفاظ جن کو متشابہات کہا گیا ہے۔ صرف انہی کی تفسیر بیان کی جائے۔

۶۔ تفسیر بالرائے:

یہ تفسیر کا آخری مرتبہ ہے صدر اسلام کے مفسرین نے تو تفسیر بالرائے کو حرام قرار دیا تھا لیکن بعد کے زمانہ میں اسے ان شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا گیا۔

الف: قران کریم کی تفسیر میں ایسا قول نہ اختیار کیا جائے کہ کہنے والا یہ سمجھتا ہے

کہ حق اس کے علاوہ ہے۔

ب: جس رائے میں خواہش نفس کا دخل نہ ہو اور وہ ایسی رائے نہ ہو جس کو سلف صالحین اختیار نہ کیا ہو۔

ج: قرآن کریم کے معنی محض رائے، لغت عربی اور قواعد نحویہ پر مبنی نہ ہو بلکہ علماء اور راسخین فی العلم سے استفادہ کیا گیا ہو۔ (۳۳)

ماخذ تفسیر:

اس مرحلہ پر یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ اس علم کے ماخذ و منابع کیا کیا ہیں۔ صدر اول یعنی عہد صحابہ میں مندرجہ ذیل ماخذ سے استفادہ کیا جاتا تھا۔

ا۔ قرآن کریم:

قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ ایک بات ایک مقام پر اس ایجاز و اختصار کے ساتھ کی گئی کہ گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا اور دوسرے مقام پر اسی دریا کو سمندر میں تبدیل کر دیا گیا۔ ایک مقام پر ایک حکم کو عمومی انداز میں بیان کیا گیا، دوسرے مقام پر اُس میں کچھ تخصیصات کر دی گئیں۔ چنانچہ قرآن کریم کے مقامات بھی ایک دوسرے کی تفسیر و توضیح کرتے ہیں۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم:

قرآن کریم کی مکمل توضیح و تفسیر سمجھنے کے لیے انسان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور آپ کی سنن و عادات کا محتاج ہے۔ صحابہ کا یہ معمول تھا کہ انھیں قرآن کریم میں جب کوئی بات سمجھنی ہوتی تو وہ نبی کریمؐ کی جانب رجوع فرماتے نبی کریمؐ یا تو قرآن ہی کے اُس مقام کی طرف ان کی رہنمائی کر دیتے جہاں سے اس مقام کی وضاحت ہو جاتی یا خود اُس کی تشریح فرما دیتے۔

۳۔ اجتہاد و قوت استنباط

قرآن کریم میں بعض ایسے مقامات بھی ہیں جن کی توضیح و تشریح خود قرآن کریم میں ہے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے اس کی کوئی قطعی توضیح و تفسیر منقول ہے۔ ایسے مواقع پر صحابہ کرام اپنے اجتہاد اور اپنی قوت استنباط کے ذریعہ قرآن کریم کی تفسیر کرتے صحابہ اپنے اجتہاد میں حسب ذیل حقائق کو بنیاد و اساس بناتے تھے۔

الف: کلا عربی:

صحابہ کلام عربی کے محاورات، ان کی ادبی اصطلاحات، لغوی معنی، صرفی اشتقامات اور معنی کے تغیرات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ قرآن کریم کے فہم میں یہ چیزیں بنیاد و اساس کا درجہ رکھتی ہیں اور ان کو گرفت میں لیے بغیر کوئی شخص قرآن کریم کے ظاہری مفہوم تک بھی رسائی نہیں حاصل کر سکتا اجتہاد و استنباط تو دور کی بات ہے۔

ب۔ اہل عرب کی عادات:

قرآن حکیم عربوں میں نازل ہوا، اس کے سب سے پہلے مخاطب عرب تھے، یہی وجہ ہے کہ احکام قرآنی میں عرب تہذیب و ثقافت اور ان کی عادات کا بہت بڑا حصہ ہے، ان احکام کو سمجھنے کے لیے اہل عرب کی عادات واطوار کو جاننا ضروری ہے۔

ج۔ اسباب نزول:

کسی بھی آیت کا سبب نزول (شانِ نزول) آیت کے معانی سمجھنے میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ واحدی کے بقول

"تفسیر آیت کی معرفت بغیر شانِ نزول معلوم کیے ممکن نہیں۔" (۴۴)

د۔ قوۃ فہم و ادراک:

قرآن کریم کے معانی کو سمجھنے، اس سے مسائل و احکام کے استخراج و استنباط اور ان کی توضیح و تفسیر کے لیے ایک زبردست قوۃ فہم و ادراک کی ضرورت ہوتی ہے جس کو اللہ تعالی یہ نور بصیرت عطا کرتا ہے وہی اس میدان کے شہسوار بنتے ہیں۔(۳۵)

۴۔ اہل کتاب علماء:

قرآن کریم نے امم سابقہ کے واقعات بیان کیے ہیں، لیکن واقعات کے صرف ان پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے جن سے سبق عبرت حاصل ہوتا ہے صحابہ میں تحقیق وجستجو کا مادہ تھا، وہ واقعہ کی مکمل تصویر حاصل کرنے کی خواہش میں ان صحابہ سے رجوع کرتے جو اسلام سے پہلے یہودی یا عیسائی تھے ان علماء سے صرف ان باتوں کے متعلق استفادہ کیا جاتا جو قرآن کریم میں مذکور نہیں اور جن کا تعلق محض واقعہ سے ہے، احکام ومسائل میں اس قسم کی روایات سے استفادہ نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ روایات اسرائیلی روایات کہلاتی ہیں۔

تفسیر میں اسرائیلیات:

نبی کریمؐ نے مکہ مکرمہ میں جب دین اسلام کی تبلیغ شروع کی تو کفار مکہ کی جانب سے سخت مخالفت کا سامنا ہوا سخت مخالفت اور شدید اذیتوں کے باوجود جب وہ نبی کریمؐ کو کار نبوت سے روک سکے نہ اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کے آگے کوئی بند باندھ سکے تو انھوں نے علمی میدان میں اسلام کا مقابلہ کرنے کے لیے یہود مدینہ کی امداد حاصل اور ان سے تین سوالات کے حاصل کیے، جن کے جوابات نبی کریمؐ سے طلب کیے گئے۔ نبی کریمؐ جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگئے تو یہود کو مشرکین و جہلاء کے مقابلہ میں اپنی علمی برتری مسلمانوں کی علمی قوت کے سامنے ماند پڑتی نظر آرہی تھی چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کا مقابلہ اس طرح کرنا شروع کیا کہ انبیاء

سابقین علیھم السلام کے بارہ میں مبالغہ آمیز روایت وضع کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا اس طرح اسرائیلی روایات تفسیر میں داخل ہونا شروع ہوگئیں۔ ان روایات میں سے بعض روایات ان لوگوں نے بھی نقل کیں جو ترکِ یہودیت یا نصرانیت کر کے مسلمان ہوئے تھے، ان روایات میں انبیاء علیہم السلام کی عظمت شان کو بیان کیا گیا ہے، ایسی روایات تو قابل قبول ہیں لیکن جن روایات میں انبیاء سابقین یا نبی کریمؐ کی گستاخی کا کوئی پہلو نکلتا ہو وہ قابل قبول نہیں۔ اسرائیلی روایات کے بارہ میں صحابہ و تابعین کا کیا طرز عمل تھا، یہ اس بحث کا مقام نہیں۔

مذکورہ اصول تفسیر کے چند بنیادی و اساسی اصول ہیں علم تفسیر کی بنیاد انھی اصولوں اور بنیادوں پر رکھی گئی ہے اور ہر مفسر کے پیش اپنی تفسیر کی تالیف کے دوران یہ اصول مدنظر رہنے چاہیں۔

حواشی

۱۔ جوہری، الصحاح، بیروت، دارالعلم، ۱۹۵۶ء، ج۴: ص ۴: ۱۶۲۷ بذیل مادہ اول۔
۲۔ ایضاً : ج ۲ : ص ۷۸۱ بذیل مادہ فسر۔
۳۔ ابن منظور الافریقی، علامہ لسان العرب، قاہرۃ، دارالمعارف، ج۵: ص ۳۴۱۲ بذیل مادہ فسر۔
۴۔ اصفہانی، مفردات فی غریب القران،
۵۔ محمد ادریس کاندھلوی، مولانا، مقدمۃ التفسیر، مخطوط: ص ۱۶۵۔
۶۔ خلیفہ، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، ج۱ : عمود ۴۲۷۔
۷۔ زرکشی، البرہان فی علوم القرآن،۔
۸۔ ابوحیان، ابوعبداللّٰہ محمد بن یوسف بن علی، البحر المحیط، ریاض، النضر الحدیثۃ ج۱: ص ۱۳، ۱۴۔
۹۔ کاندھلوی، مولانا، مقدمۃ التفسیر، ص ۱۸۳۔
۱۰۔ آلوسی، روح المعانی، ج۱ ص ۵۔
۱۱۔ خلیفہ، کشف الظنون، ج۱ : عمود ۴۲۷۔
۱۲۔ جوہری، الصحاح، ج۴: ص ۴۲۷ بذیل مادہ اول۔
۱۳۔ ابن منظور، لسان العرب، ج ۵ : ص ۳۴۱۳۔
۱۴۔ حوالہ بالا۔
۱۵۔ اصفہانی، مفردات۔
۱۶۔ ابن حجر، علی بن سلطان، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج ۳: ص ۴۳۸
۱۷۔ ۱۲ : یوسف : ۶

۱۸۔ ۱۹ : الکہف : ۸۲
۱۹۔ ۳: آلِ عمران: ۷
کاندھلوی، مولانا، مقدمة التفسیر ، ص ۱٦۵، ٦٦
۲۰۔ شاہ عبدالعزیز، فتح العزیز، تفسیر سورۃ قیمہ، تین بشرائط تفسیر۔
۲۱۔ کاندھلوی، مولانا، مقدمة التفسیر، ص ۱٦۷۔
۲۲۔ ٤۷: محمد : ۲٤۔
۲۳۔ ۳۸ : ص : ۲۹۔
۲٤۔ ٤ : النساء : ۸۲۔
۲۵۔ ۳ : الِ عمران: ۱۸۷۔
۲٦۔ ایضاً: ۷۷۔
۲۷۔ سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، ج۲ : ص ۱۷۵۔
۲۸۔ خضر یاسین، علم تفسیر کی تنقید، منہاج (جنوری ۱۹۹۵ء) ج ۱۳، شمارہ ۱۔ ص ۱۹۷۔
۲۹۔ مسلم بن الحجاج۔ الجامع الصحیح (۸۱۷) ج۱: ص ۵۵۹۔
کتاب صلوۃ المسافرین۔ باب فضل قرأۃ المعوذتین۔ : ص ۳۹
۳۰۔ سیوطی، التخبیر : ص ۳۹
۳۱۔ ابن ماجہ، کتاب السنن (۳۹۵۰) ج۲: ص ۱۳۰۳ کتاب الفتن۔ باالسواد الاعظم۔
۳۲۔ ٤ : النسآء : ۱۱۵۔
۳۳۔ کاندھلوی، مولینا، مقدمة التفسیر ص ۱۹۰ تا ۱۹۳۔
۳٤۔ واحدی، ابوالحسن علی بن احمد نیسابوری، اسباب النزول، بیروت، دارالکتب العلمیة : ص ۵۔
٤۵۔ ذھبی، التفسیر والمفسرون، ج۱: ص ٦۱، ٦۲۔

علم تفسیر

تاریخی ارتقاء

☆ باب اول۔ عہد نبوی و صحابہ

☆ باب ثانی۔ عہد تابعین

☆ باب ثالث۔ عہد تدوین

باب اول

عہد نبوی وصحابہ

اللہ کے ایک برگزیدہ پیغمبر، ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے حکم سے اللہ کا گھر تعمیر کر رہے تھے اس موقع پر حضرت ابراہیم کو خیال پیدا ہوا کہ مکان کی رونق و آبادی مکین کے دم سے ہے۔ جب کسی مکان میں مکین موجود ہو، وہ مکان آباد و معمور کہلاتا ہے چنانچہ بارگاہ الٰہی میں اس مکان کے لیے مکین کی دعا کرتے ہوئے عارض ہوئے۔

"ربنا وابعث فیهم رسولا منهم" (۱)
(اے ہمارے رب ان میں ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرما)

پھر مکان کی عظمت، قدر و منزلت اور اس کے تقدس کے پیش نظر اس مکین کی کچھ خصوصیات اور اس کے فرائض ذکر کیے۔

"یتلوا علیهم آیاتک ویعلمهم الکتب والحکمة و یزکیهم" (۲)
(جو ان پر تیری آیات تلاوت کرے، انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرے)

اللہ کے خلیل کی اس دعا کو بارگاہ ایزدی میں شرف قبول حاصل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا۔

"لقد من الله علی المومنین اذ بعث فیهم رسولاً من انفسهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین" (۳)
(بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر عظیم احسان کیا کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بنا کر بھیجا جو اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے، ان لوگوں کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی

تعلیم دیتا ہے، بے شک یہ لوگ اس سے قبل کھلی گمراہی میں تھے)

اول الذکر آیت پر غور کیا جائے یا موخرالذکر پر، ہر دو سے جو فرائض نبوت مستفاد ہو رہے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ تلاوت آیات اللہ

۲۔ تزکیہ نفوس

۳۔ تعلیم کتاب وحکمت

نبی کریم ﷺ نے اپنی بعثت و رسالت کے بعد جب ان تین میدانوں میں کام کیا تو تین بنیادی و اساسی علوم منصۂ ظہور پر آئے۔

الف۔ تلاوت آیات اللہ کی بنا پر، اس کے تلفظ و قراءت کے قواعد وضوابط پر مشتمل علم قراءت و تجوید منصۂ شہود پر آئے۔

ب۔ تزکیہ نفوس کے حوالہ سے عمل و تربیت کے تمام علوم جن میں علم فقہ، اصول فقہ، اور علم تصوف و احسان شامل ہیں، معرض وجود میں آئے۔

ج۔ تعلیم کتاب وحکمت کی بناء پر علوم تفسیر و حدیث ظہور پذیر ہوئے۔

کتاب و حکمت کی تعلیم، توضیح اور اس کی تفہیم علم تفسیر کہلائی اور ان توضیحات کے مخاطبین اولین صحابہ کرام تھے اس بنا پر علم تفسیر کے ارتقائی مراحل میں سب سے پہلا مرحلہ عہد نبوی وعصر صحابہ پر مشتمل ہے۔ اس عہد میں تفسیری ماخذ کیا تھے، اس زمانہ کی تفسیری خصوصیات کیا تھیں ان پر بحث کرنے سے قبل مناسب ہے کہ اس عہد کے مفسرین کا جائزہ لیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ تعلیم کتاب وحکمت میں سے کس قدر حظ وافر انہوں نے حاصل کیا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ علم تفسیر کی بنیاد و اساس صحابہ کرام کی تفسیری خدمات ہیں۔ صحابہ کے آثار و اقوال، نبی کریم ﷺ کی طرف سے واردہ توضیحات پر مشتمل روایات ہی کسی تفسیر کی بنیاد و اساس قرار دی جاسکتی ہیں۔ اور وہی تفسیر قابل اعتبار بھی ہے اور لائق قبول بھی جو نبی کریم ﷺ کی احادیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں تالیف کی گئی ہو۔

حضرت ابو بکر صدیق م:۱۳ھ/۶۳٤ء

آپ کا نام عبداللہ بن ابی قحافہ تھا۔ مرۃ پر آپ کا نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے آپ کو عتیق کا لقب دیا تھا اور صدیق کے لقب سے اس وقت نوازا گیا جب آپؓ نے نبی کریم ﷺ کے سفر معراج کی بلا کسی تردد کے تصدیق کی۔ نبی کریم ﷺ کو آپ سے کمال تعلق و محبت تھا۔ آپ صدیق اکبر ﷺ کو "اخی اور صاحبی" (٤) فرماتے تھے۔ آپ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا کہ مردوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے تو آپ نے صدیق اکبرؓ کا نام لیا۔ (٥)

صدیق اکبرؓ سفر ہجرت میں آپ کے ساتھ رہے اور غار ثور میں آپ کے ساتھ قیام کیا۔ نبی کریم ﷺ نے حالت مرض میں صدیق اکبر کو ہی نماز کی امامت کرانے کا حکم دیا اسی بنا پر آپ کے وصال کے بعد مسلمانوں نے آپ کو اپنا خلیفہ چنا۔ نبی کریمؐ کی وفات کے دو سال بعد ۱۳ ھ/٦٣٤ ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ (٦)

حضرت ابو بکر صدیق سے منقولہ روایات

حضرت ابو بکر صدیق کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے عموماً سیرت نگار آپ کو خاموش طبع اور کم گو بتاتے ہیں۔ مزید یہ کہ صدیق اکبرؓ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد زیادہ عرصہ حیات نہ رہے اور یہ دو سال بھی ایک دور فتن اور زمانہ پر آشوب تھا۔ دیگر یہ کہ حضرت ابو بکر صدیق کے متعلق رواۃ نقل کرتے ہیں کہ آپ نبی کریم ﷺ کا قول نقل کرتے ہوئے اپنے دیرینہ تعلق کی بناء پر اکثر و بیشتر رو پڑتے تھے۔ (٧)

یہی وجوہ ہوئیں کہ آپؓ سے منقول روایات کا ذخیرہ بہت کم پایا جاتا ہے۔ البتہ روایات کے مطابق آپؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت انسؓ کو بحرین کے

لیے روانہ کیا تو کتاب الصدقہ لکھوا کر ان کے حوالہ کی، یہ کتاب ان احادیث نبویہؐ پر مشتمل تھی جو صدقات و زکوۃ کے نصابات کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ سے منقول تھیں۔ امام بخاری نے کتاب الزکوۃ میں اس کا اکثر متن نقل کیا ہے۔(۸)

علامہ سیوطی کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق سے دس سے بھی کم روایات منقول ہیں۔(۹)

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت ابوبکر صدیق سے 26 روایات نقل کی ہیں جن میں سے صرف ایک روایت تفسیری ہے جس میں صدیق اکبرؓ یا ایھاالذین آمنوا علیکم لا یضرکم من ضل اذااھتدیتم کی تفسیر نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔(۱۰)

حضرت عمر بن الخطاب العدویؓ م: ۲۳ھ/۶۴۳ء

عمر بن خطاب بن نفیل العدوی ابوحفص رضی اللہ عنہ قریش مکہ کے لوئی خاندان کے ایک عظیم فرزند تھے۔ آپؓ کا نسب لوئی پر نویں پشت میں نبی کریم ﷺ سے ملتا ہے۔ ابن اثیر کے مطابق آپ کی ولادت واقعہ فیل کے تیرہ سال بعد یعنی ۵۸۳ء میں ہوئی اور خود حضرت عمرؓ کے اپنے قول کے مطابق جسے ابن اثیر نے نقل کیا آپ کی ولادت حلف الفجار کے چار سال بعد ہوئی۔(۱۱)

جب کہ ابن حجر کے مطابق آپؓ کی ولادت بعثت نبوی سے تیس سال قبل یعنی ۵۸۰ء میں ہوئی۔(۱۲)

آپؓ قریش میں ایک نمایاں و ممتاز مقام رکھتے تھے۔ اور اکثر و بیشتر قریش آپ کو دوسرے قبائل کے سرداروں یا دوسری مملکتوں کے بادشاہوں کی جانب اپنا سفیر بنا کر بھیجتے تھے۔ وقت جنگ متحارب قبیلہ سے صلح و آشتی یا کسی معاہدہ کے انعقاد کے لیے عمرؓ ہی کو سفیر بنایا جاتا۔(۱۳)

قبول اسلام:

فاران کی چوٹی سے آفتاب نبوت و رسالت طلوع ہو چکا تھا۔ آپؐ پر ایمان لانے والوں کی چالیس نفوس پر مشتمل ایک مختصر جماعت معرض وجود میں آ چکی تھی حضرت عمرؓ بھی دیگر قریشیوں کی طرح نبی کریم ﷺ، آپ کے صحابہ کرام اور دین اسلام کے سخت مخالف تھے۔ لیکن کیونکہ آپ قریش میں ایک نمایاں و ممتاز مقام رکھتے تھے مکہ میں آپ کا رعب و دبدبہ تھا، اپ کی ہیبت قریش کے اذھان پر جازم تھی، نبی کریم ﷺ کی تمنا و خواہش تھی کہ آپ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور آپ کے اس معزز مقام سے اسلام کو عزت و سربلندی حاصل ہو چنانچہ آپ اکثر یہ دعا کرتے تھے:

"اللھم اعز الاسلام باحب ھذین الرجلین الیک بابی جھل او بعمر بن خطاب" (١٤)

(اے اللہ عمر بن الخطاب یا ابوجہل میں سے کسی کے ذریعہ جو دونوں میں تجھے زیادہ محبوب ہو، اسلام کو عزت و سربلندی عطا فرما)

حضرت عمرؓ اپنے قبول اسلام کی تفصیلات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔
حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں:

"ایک دوپہر میں گھر سے نکلا، ایک شخص مجھے ملا اور کہا کہ جس دین کی تم شدید مخالفت کرتے ہو، وہ تمہارے گھر میں داخل ہو گیا ہے اور تمہاری بہن مسلمان ہو گئی ہیں، میں غصہ میں ان کے گھر پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ عمر کی آواز سن کر خوف زدہ ہو گئے۔ عمر گھر میں داخل ہوئے اور اپنی بہن کو پیٹنا شروع کر دیا۔ بہن نے کہا تم جو چاہو کر لو ہم اسلام سے واپس نہ ہوں گے، پھر عمر کے مطالبہ پر بہن نے قرآن پاک سنانا شروع کیا، جب وہ اس آیت پر پہنچیں۔

"آمنو باللہ ورسولہ و انفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ یہاں تک کہ ان کنتم مومنین"(۱۵)
تک پہنچیں تو عمرؓ پکار اٹھے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت عمرؓ کو یہ خوشخبری دی گئی کہ تمہارا اسلام نبی کریم ﷺ کے دعا کے نتیجہ میں ہے آپ نبی کریم ﷺ کے گھر آئے۔ جب وہاں لوگوں کو معلوم ہوا تو خوف زدہ ہوگئے، آپ حاضر ہوئے اور قبولیت اسلام کا اعلان کیا اور بیعت ہوگئے، مسلمان آپ کے اس اعلان سے اس قدر خوش ہوئے کہ ایک زوردار نعرہ تکبیر بلند کیا جس سے مکہ کی گلیاں گونج اٹھیں۔" (۱۶)

اس وقت تک ایک روایت کے مطابق چالیس مرد اور گیارہ عورتیں اسلام لا چکی تھیں جب کہ ابن عباسؓ کے مطابق ۳۹ مرد وعورت مسلمان ہوئے تھے، اور چالیسویں عمر فاروق تھے۔ (۱۷)

حضرت عمر فاروق نے جب مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ کی طرف سے ہجرت کی اجازت مل گئی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور بدر، احد، خندق تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ حضرت عمر فاروق کو نبی کریم ﷺ نے شہادت کی بشارت دی تھی۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ نقل کرتے ہیں:

"صعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی احد ومعہ ابوبکر، و عمر و عثمان فرجف بھم فضربہ برجلہ قال اثبت احد فما علیک الانبی او صدیق او شھیدان" (۱۸)
(نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ احد پر چڑھے، آپکے ساتھ ابوبکرؓ، عمرؓ، اور عثمان رضی اللہ عنہم تھے، وہ پہاڑ لرزنے لگا آپ نے اس پر اپنا پاؤں مارا اور کہا کہ حرکت نہ کر اے احد، تیرے اوپر نبیؐ، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں)

شہادت کے ساتھ آپ نے عمر فاروق کو حسن انجام کی بھی خوش خبری دی تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نقل کرتے ہیں:

بينا نحن عند رسول الله اذ قال بينا انا نائم رايتنى فى الجنة فاذا مرأة توضا الى جانب قصر فقلت لمن هٰذا القصر قالت لعمر" (۱۹)

(ایک مرتبہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دن نیند میں، میں نے اپنے آپ کو جنت میں دیکھا۔ جہاں ایک محل کے قریب ایک عورت وضو کر رہی تھی میں نے اس عورت سے دریافت کیا کہ یہ محل کس کا ہے اس نے جواب دیا کہ عمرؓ کا ہے)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ درس گاہ نبوت کے ایک تلمیذ اور شمع رسالت کے ایک پروانے تھے۔ ذخیرہ احادیث میں آپ سے متعدد احادیث منقول ہیں۔ تفسیری روایات بھی آپ سے منقول ہیں۔ آپ سے منقولہ تفسیری روایات کی تعداد اس قدر قلیل ہے کہ عام طور پر تاریخ تفسیر لکھنے والوں نے آپ کا شمار مفسر صحابہ میں نہیں کیا۔ لیکن آپ کا شمار اس بناء پر مفسر صحابہ میں ہوتا ہے کہ سید المفسرین عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور ابی بن کعبؓ نے جن کو تفسیری روایات کے اعتبار سے صحابہ میں عروج و کمال حاصل ہے، بکثرت حضرت عمر فاروق سے استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ طبقہ صحابہ میں حضرت عمرؓ کو مفسرین کی فہرست میں شمار نہ کرنا زیادتی ہے۔ بایں ہمہ امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں حضرت عمر فاروق سے نو روایات نقل کی ہیں جن میں سے اکثر کسی آیت کے شان نزول سے متعلق ہیں۔ (۲۰)

علاوہ ازیں ایک روایت عبداللہ بن عباسؓ سے اس طرح منقول ہے کہ حضرت عمر فاروق اپنے عہد خلافت میں مجھے باوجود کم سنی کے، بعض کبار صحابہ کے ہم پلہ سمجھتے تھے۔ صحابہ نے امیر المومنین سے یہ شکوہ کیا کہ ابن عباس ہماری اولاد

کے برابر ہیں اور آپ ہم پر انہیں ترجیح دیتے ہیں اس پر فاروق اعظم نے ان تمام صحابہ سے اذا جاء نصر اللہ والفتح کی تفسیر دریافت کی، بعض صحابہ نے خاموشی اختیار کی اور بعض نے اس کا ظاہری مفہوم بیان کیا کہ ہمیں اللہ کی حمد و ثنا اور تسبیح کا حکم دیا گیا ہے۔ بعد ازاں فاروق اعظم نے عبداللہ بن عباس سے دریافت کیا تو ابن عباسؓ نے جواب دیا میرے خیال میں یہ نبی کریم ﷺ کی خبر وفات ہے، کہ اللہ کی طرف سے فتح و نصرت آپ کے وصال کی علامت ہے لہذا آپ اللہ کی طرف رجوع کیجئے۔ فاروق اعظمؓ نے جواب دیا میں بھی اس کا یہی مطلب سمجھتا ہوں۔ (۲۱)

اس روایت سے اندازہ ہوا کہ فاروق اعظمؓ قرآن کریم میں غور و تدبر کیا کرتے تھے اور اس میں پنہاں معانی کا ادراک بھی۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ۳۰ھ/۶۵۰ء

حضرت ابی بن کعب بن قیس الانصاری الخزرجی کبار صحابہ میں شمار ہوتے ہیں آپ کے ابتدائی حالات کے متعلق تو ائمہ اسماء الرجال خاموش ہیں البتہ اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے آپ نبی کریم ﷺ کی ہجرت سے قبل عقبہ میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ روایت حدیث میں آپ اس قدر بلند مقام رکھتے تھے کہ عبادۃ بن صامت، عبداللہ بن عباسؓ جیسے کبار صحابہ بھی آپ سے روایات نقل کرتے ان حضرات کے علاوہ عبداللہ بن خباب اور آپ کے فرزند الطفیل بن ابی نے بھی آپ سے روایات نقل کی ہیں۔ آپ کو قرآن کریم کی تلاوت اور اس کے معانی کے بیان سے خاص شغف تھا، آپ آٹھ راتوں میں قرآن کریم کی تلاوت مکمل کر لیا کرتے تھے آپ کی اسی کثرت تلاوت اور قرآن کریم سے تعلق کی بنا پر نبی کریم ﷺ نے آپ کو امت میں "اقرء" (سب سے بڑا قاری) قرار دیا۔ امام ترمذی ایک روایت نقل کرتے ہیں جس کی تین مختلف سندیں امام نے نقل کیں اور روایت کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ روایت کا مفہوم یہ ہے۔

" نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابی! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ

میں تیرے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کروں چنانچہ آپ نے سورہ بینہ کی تلاوت کی"(٢٢)

ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ ابی نے سوال کیا کہ کیا اللہ تعالی نے میرا نام لیا۔ آپؐ نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لیا ہے یہ سن کر ابی فرط مسرت سے رونے لگے۔(٢٣)

ابن سعدؒ کے مطابق نبی کریم ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد نبی کریم کے اولین کاتب ابی بن کعب تھے۔ آپؓ کے زہد و اتقاء کی بنا پر آپؓ کو تمام صحابہ کرام سید المسلمین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔(٢٤)

آپ کی وفات کے متعلق مختلف اقوال نقل کیے گئے۔ ایک قول کے مطابق آپ کی وفات ١٩ھ/ ٦٤٠ء میں ہوئی۔ بعض ٢٢ھ/ ٦٤٢ء کے قائل ہیں جب کہ بعض نے ٣٠ھ/ ٦٥٠ء کا قول اختیار کیا ہے۔ علامہ ابن حجرؒ، ابن سعد، اور ابن الاثیر کے مطابق ٣٠ھ راجح ہے۔ ابن سعدؒ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ آپ خلافت عثمان تک حیات رہے اور آپؓ کو عثمان غنیؓ نے جمع قران کا حکم دیا تھا۔(٢٥)

ابن عماد لکھتے ہیں:

"كان من علماء الصحابه و مناقبه اكثر من ان تحصر" (٢٦)

آپ علماء صحابہ میں سے تھے اور آپ کے فضائل و مناقب کا احاطہ نہں کیا جا سکتا۔

علامہ سیوطی کے مطابق آپ سے تفسیری روایات کا ایک بڑا نسخہ ابو جعفر الرازی عن الربیع بن انس عن ابی العالیہ عن ابی کی سند سے منقول ہے اور یہ نسخہ صحیح ہے۔ ان روایات کو ابن جریر نے تفسیر میں، ابن ابی حاتم نے الجرح و التعدیل میں، حاکم نے مستدرک میں اور امام احمد بن حنبل نے مسند میں نقل کیا ہے۔

علامہ سیوطی کے مطابق آپ سے صحابہ کرام کی ایک جماعت نے جن میں انس بن مالک، ابوہریرہ، ابن عمر، جابر بن عبداللہ، اور ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہم) شامل ہیں قصص، اخبار فتن و قیامت کے بارہ میں کچھ روایات نقل کی ہیں۔ (۲۷)

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ابی بن کعب سے مختلف اسانید سے ۳۵ تفسیری روایات نقل کی ہیں وہ اسناد یہ ہیں۔

(الف) ابوجعفر الرازی، عن الربیع بن انس عن ابی العالیہ عن ابی بن کعب۔ (۲۸)

ابوجعفر الرازی ابی سے اسی سند سے کثیر تعداد میں تفسیری روایات نقل کرتے ہیں حاکم نے المستدرک میں اسی سند سے ابی کی روایات تفسیر نقل کی ہیں۔ (۲۹)

(ب) وکیع عن سفیان عن عبداللہ بن محمد بن عقیل، عن الطفیل بن ابی بن کعب عن ابیہ ہے اس سند سے بھی امام احمد نے روایات نقل کی ہیں۔ اس سند میں عبداللہ بن محمد بن عقیل کے قوت حافظہ کے بارہ میں کچھ کلام کیا گیا ہے البتہ ان کی صداقت مسلم ہے۔ (۳۰)

حضرت ابوالدرداء عویمر بن زید الانصاری الخزرجی م:۳۲ھ/۶۵۳ء

حضرت ابوالدرداء عویمر بن عبداللہ مدینہ منورہ کے انصار میں سے تھے اور نسبتاً خزرجی تھے۔ آپ غزوہ بدر کے بعد مشرف باسلام ہوئے اور غزوہ احد میں نہ صرف شرکت کی بلکہ مسلمانوں کی جانب سے کفار کا بڑی جوان مردی سے مقابلہ کیا اور اس موقع پر مسلمانوں کو جس آزمائش کا سامنا کرنا پڑا باوجود اپنے حداثۃ الاسلام، اس آزمائش میں پورے اترے۔ آپؓ نے نبی کریم ﷺ سے قرآن کریم حفظ کیا۔ اور بعد ازاں ساری زندگی قرآن کریم اور اس کے مفاہیم و معانی کا درس دیتے رہے۔ آپؓ کو شام کے لوگوں کی تعلیم کے لیے بھیجا گیا اور حضرت عثمان غنی کے عہد میں آپ کو دمشق کا قاضی بنا کر بھیجا گیا اور وہیں ۳۲ھ/۶۵۳ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ (۳۱)

آپ کی نقل کردہ احادیث ائمہ صحاح ستہ اور دیگر محدثین نے نقل کی ہیں۔
آپ کے فرزند بلال، آپ کی اہلیہ ام الدرداء، جبیر بن نفیر، علقمہ، سعید بن المسیب خالد بن معدان، ابو ادریس الخولانی، اور آپ کے مواخاتی بھائی سلمان فارسی نے آپ سے روایات نقل کی ہیں۔

ذھبی انس بن مالکؓ کا ایک قول بخاری کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔

"مات النبی صلی اللہ علیه وسلم ولم یجمع القرآن غیر اربعة ابی الدرداء، معاذ بن جبل، زید بن ثابت وابی زید" (۳۲)
(نبی کریم ﷺ کے وصال کے وقت ابوالدرداء، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابو زید صرف چار صحابی تھے جنہوں نے قرآن کریم کو جمع کیا تھا)

حضرت ابوذر غفاری، جندب بن جنادہ م ۳۲ھ/۶۵۳ء

حضرت ابوذر غفاریؓ کا نام صحیح اور راجح روایت کے مطابق جندب بن جنادہ تھا۔ آپ غفاری قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ سابقین اولین میں سے تھے اپنے شہر سے سفر کر کے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ یہ اسلام کا ابتدائی دور تھا۔ اور اس وقت تک صرف پانچ حضرات جماعت مسلمین میں داخل ہوئے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آپ وطن واپس لوٹ گئے اور پھر نبی کریم کی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ ہجرت کر آئے۔ آپ پیکر علم، مجسم زہد وتقویٰ اور اخلاص کا ایک عظیم نمونہ تھے۔ پیشہ کے لحاظ سے تاجر تھے اور اوسطاً آمدنی چار سو دینار ماہانہ تھی لیکن اس کے باوجود آپ روپیہ جمع کرتے تھے نہ مال و دولت۔ آپ عبداللہ بن مسعودؓ کے پائے کے عالم تھے۔ آپ سے انسؓ بن مالک، زید بن وھب، جبیر بن نفیر، احنف بن قیس، ابوسالم الجیشانی، سفیان بن ھانی، عبدالرحمٰن بن غنم، اور سعید بن المسیب جیسے کبار صحابہ کے علاوہ کبار تابعین نے سماع و استفادہ

کیا۔ (۳۳)

حضرت ابوذر غفاریؓ مکہ کے ان چند صائب الفکر لوگوں میں سے تھے جو قبل از اسلام ہی کفر و شرک سے بیزار و متنفر تھے۔ عبداللہ بن صامت اور ابوذر غفاری کا ایک مکالمہ اصبہانی نے نقل کیا ہے جس میں ابوذر فرماتے ہیں۔

"یا ابن اخی صلیت قبل الاسلام باربع سنین۔ قال له من كنت تعبد قال اله السماء قلت فاين كانت قبلتک قال حيث وجهنی الله عزوجل" (٣٤)

(اے بھتیجے! (عبداللہ بن صامت) میں نے اسلام سے قبل چار سال تک نماز پڑھی ہے۔ پوچھا آپ کس کی عبادت کرتے تھے کہا آسمان کے خالق کی، میں نے پوچھا آپ کا قبلہ کس سمت میں تھا کہا جس جانب بھی اللہ نے میرا چہرہ کر دیا)

۳۲ھ/۶۵۳ء میں آپ کی وفات ہوئی۔(۳۵)

امام بخاریؒ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے تفسیر کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں ابوذرؓ حضور سے آیت والشمس تجری لمستقرلها کی تفسیر نقل کرتے ہیں۔(۳۶)

عبداللہ بن مسعود ابوعبدالرحمٰن م:۳۲ھ/۶۵۳ء

عبداللہ بن مسعود بن غافل بنی کلاب میں سے تھے اور بنی زہراء کے خلفاء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ صحابہ کرام میں نبی کریم سے سب سے زیادہ قرب رکھتے تھے۔ آپ نبی کریم ﷺ کے خصوصی خادم تھے اور ہر قسم کی خدمت سرانجام دیا کرتے۔ نبی کریم ﷺ جب حجرہ مبارکہ سے مسجد آتے تو عبداللہ بن مسعود آپ کے ساتھ آپ کی عصا پکڑے ہوتے۔ مجلس میں داخل ہوتے وقت آپ نبی کریم ﷺ کے جوتے اُتارتے اور آپ کی عصا آپ کو دیتے۔ جب آپ واپس جاتے تو اسی طرح آپ کو جوتے پہناتے اور عصا پکڑ لیتے۔ حضرت عبداللہ

بن مسعودؓ قران کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اور کبار صحابہ ان کے تفقہ و علم کی بنا پر انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ۳۲ھ/۶۵۳ء میں آپ کا انتقال ہوا۔(۳۷)

آپ نے کثرت سے احادیث نقل کی ہیں۔ آپ سے اسود بن یزید، علقمہ بن قیس، زید بن وھب، حارث بن قیس، ابووائل شفیق بن سلمہ، زر بن جیش، عبدالرحمن بن یزید، ابو معمر عبداللہ بن سخرۃ، ابوعمرو شیبانیؒ، ابو الاحوص الجشمی اور دیگر کبار تابعین نے آپ سے سماع و تلمذ کی سعادت حاصل کی اور اپ سے آثار و روایات نقل کیں۔ (۳۸)

سیوطی کے مطابق عبداللہ بن مسعودؓ صحابہ کرام میں عبداللہ بن عباس کے بعد سب سے زیادہ تفسیری روایت نقل کرنے والے ہیں۔ آپ کی روایات کی تعداد حضرت علیؓ سے زیادہ ہے۔ (۳۹)

عبداللہ بن مسعودؓ سے پانچ سندوں سے روایات تفسیر منقول ہیں علماء جرح و تعدیل نے ان رواۃ میں سے کسی کو بھی ضعیف قرار دیا ہے نہ سند میں کہیں انقطاع ثابت کیا ہے۔ بلکہ ان ناقدین نے خود بھی ابن مسعود سے روایات نقل کرنے میں ان سندوں پر اعتماد کیا ہے۔

عبداللہ بن مسعود قرآن کریم کی تعلیم کے اس قدر شوقین تھے کہ دس دس آیات سیکھتے، انہیں یاد کرتے، ان کے معانی معلوم کرتے اور ان پر عمل کرتے۔ پھر مزید دس آیات اسی طرح سیکھتے۔ ابن مسعودؓ قسم کھا کر یہ بات کہا کرتے تھے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کے معنی، مفہوم اور شان نزول سے میں واقف نہ ہوں، آپ کے تلمیذ ارشد مسروق بیان کرتے ہیں کہ ابن مسعود ہمارے سامنے صبح کے وقت ایک سورۃ تلاوت کرتے اور پھر تمام دن اس سورۃ کی تفسیری احادیث سناتے۔ غرضیکہ قرآن حکیم کے محکم و متشابہات، حلال و حرام، قصص و امثال، اسباب نزول اور قراءت میں عبداللہ بن مسعودؓ کو کامل دسترس حاصل تھی۔ (۴۰)

حضرت عثمان بن عفانؓ ۳۵ھ/۶۵۵ء

آپ کا نام عثمان بن عفان بن ابی العاص تھا۔ قبیلہ قریش کے اموی شاخ سے آپ کا تعلق تھا۔ لہذا آپ کی نسبت قریشی و اموی تھی۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور ابو عمرو تھی۔ ابن حجر کے مطابق آپ کی ولادت عام الفیل کے چھ سال بعد یعنی ۵۷۶ء میں ہوئی۔ نسبی اعتبار سے آپ نجیب الطرفین تھے والد کی طرف سے آپ کا نسب پانچویں پشت میں عبد مناف پر نبی کریمؐ سے مل جاتا ہے جب کہ آپ کی والدہ نبی کریم ﷺ کی پھوپھی یعنی عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔(۴۱)

آپ حسن سیرت اور حسن صورت کا عظیم مرقع تھے۔ سابقین اولین میں سے تھے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق کی دعوت پر اس وقت اسلام لائے جب کہ مسلمانوں کی تعداد صرف تین تھی۔ نبی کریم ﷺ آپ سے کمال شفقت فرماتے تھے چنانچہ اظہار شفقت و مودت کے طور پر آپ نے اپنی لخت جگر حضرت رقیہ کا عقد نکاح آپ سے کر دیا۔ آپ کے فضائل میں یہ بات بھی مورخین و سیرت نگاروں نے ذکر کی ہے کہ آپ نے دو مرتبہ حبشہ کی طرف اور پھر تیسری مرتبہ مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ اس طرح ہجرت جیسی عظیم الشان عبادت آپ نے اپنی زندگی میں تین مرتبہ سرانجام دی۔

مسلمان جس وقت بدر کے معرکہ کے لیے جا رہے تھے حضرت رقیہ سخت بیمار تھیں چنانچہ نبی کریم ﷺ کے حکم پر حضرت عثمان غنیؓ مدینہ میں رہے اور حق و باطل کے اس معرکہ میں شرکت سے محروم رہے۔ لیکن چونکہ یہ محرومی کسی ذاتی غرض و منفعت کے حصول کے لیے نہ تھی بلکہ بامرالرسول تھی اور آپ کی لخت جگر کی تیمارداری کے لیے تھی چنانچہ جو فضائل و انعامات اصحاب بدر کو ملے، حضرت عثمان غنی کو بھی اس کا مستحق قرار دیا گیا اور اس بات کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آپ نے حضرت عثمان کو اصحاب بدر میں شمار کرنے کے علاوہ مال غنیمت میں سے حصہ بھی دیا۔ ایام بدر کے دوران ہی حضرت رقیہؓ نے داعی اجل کو لبیک کہا حضرت عثمانؓ کو

حضرت رقیہؓ کی وفات کا حد درجہ رنج و ملال تھا کہ نبی کریمؐ سے خونی قرابت کے ساتھ صہری قرابت تھی، وہ ختم ہوگئی۔ آپ نے جب حضرت عثمانؓ کو زیادہ کبیدہ خاطر دیکھا تو اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثوم کو آپ کے عقد میں دے دیا۔ نبی کریم کی دو صاحبزادیوں سے داماد ہونے کی بناء پر آپ کو اس دنیا میں بھی ذوالنورین کے لقب سے پکارا گیا اور ایک روایت جسے ابن حجر نے ضحاک عن نزال بن سبرۃ نقل کیا ہے، آسمانوں میں بھی یہی لقب ملا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"ذاك امرؤ يدعى فى السماء الاعلى ذالنورين" (۴۲)
(آپ وہ شخص ہیں کہ جن کو ملاء اعلیٰ میں ذوالنورین کے لقب سے پکارا جاتا ہے)

آپ عادات و مزاج کے اعتبار سے حلیم الطبع، اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ زہد و تقویٰ میں حضرت ابوبکرؓ کے بعد آپ کا مثل ملنا مشکل ہے۔ آپ نہ صرف ان دس اصحاب میں سے ہیں جن کو نبی کریم ﷺ نے جنت کی بشارت اس دنیا میں دے دی بلکہ اس پر مستزاد ایک فضیلت نبی کریم ﷺ سے ابن اثیر نے یحیٰ بن یمان کی سند سے جو طلحہ بن عبیداللہ پر منتہی ہوتی ہے، نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لكل نبى رفيق و رفيقى يعنى فى الجنة عثمان"(۴۳)
(نبی کریم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے اور میرے رفیق یعنی جنت میں عثمان ہوں گے)

یعنی حضرت عثمان غنیؓ وہ ہستی ہیں کہ جن کو اس دنیا میں بھی نبی کریم ﷺ کی صحابیت و رفاقت کی دولت نصیب ہوئی اور جنت میں بھی آپ نبی کریم ﷺ کے خاص رفقاء میں سے ہوں گے۔

صلح حدیبیہ سے پہلے نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے بیعت لی تھی، حضرت

عثمانؓ اس وقت آپ کی سفارت کے لیے مکہ تھے۔ آپ کی بیعت اس طرح ہوئی۔

"ان رسولُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بایع لعثمان فضرب باحدی یدیه علی الاخری"(٤٤)

(نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کی بیعت خود کی اور وہ اس طرح کہ آپ نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارا) گویا آپ نے اپنے ایک ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا۔

حضرت عثمان غنیؓ جامع قرآن کے لقب سے معروف ہیں۔ لہذا آپ کی روایات فضائل قرآن اور ترتیب سور کے بارہ میں منقول ہیں۔(۴۵)

حضرت علی بن ابی طالب ابوالحسن الہاشمی م: ٤٠ھ/٦٦٠ء

حضرت علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب ابن حجر کے مطابق بعثت نبوی سے دس سال قبل یعنی ٦٠٠ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نبی کریم ﷺ کے عم محترم ابو طالب کے فرزند ارشد تھے۔ اس طرح ایک جانب تو آپ کو نبی کریم کے ساتھ قریبی خونی قرابت حاصل تھی اور دوسری جانب یہ سعادت بھی آپ کے حصہ میں آئی کہ آپ کی پرورش و تربیت نبی کریم ﷺ نے خود فرمائی۔ آپ ہمہ وقت نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ سفر جنگ ہو یا سفر حج کوئی سفر ایسا نہ ہوتا تھا کہ جس میں حضرت علیؓ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس شخص کی سیرت اور کردار کی کس قدر عظمت ہوگی کہ جس کی تربیت نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں ہوئی ہو۔ بعض روایات کے مطابق آپ نبی کریمؐ پر سب سے پہلے ایمان لائے تھے جب کہ دوسری روایات کے مطابق صدیق اکبرؓ سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ البتہ نوجوانوں میں آپ کے سب سے پہلے ایمان لانے پر تمام مورخین ائمہ اسماء الرجال متفق ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے جب مدینہ منورہ ہجرت کی اس سفر ہجرت میں نبی کریم ﷺ کے بعد دو کردار ایسے ہیں جن کی عظمت اس سفر کے حوالہ سے رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔ پہلا کردار ابوبکر صدیقؓ کا ہے جو اس پر خطر سفر میں نبی کریم ﷺ

کے پا بہ رکاب رہے۔ اور اس سفر کی تمام تر صعوبتیں اور خطرات کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ دوسرا کردار حضرت علی بن ابی طالب کا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو اہل مکہ کی تمام امانتیں سپرد کر دیں اور اپنے بستر پر سلا دیا۔ یہ حضرت علیؓ کی جرأت اور ان کی بہادری کی ایسی داستان ہے کہ جس کا مثل ملنا مشکل ہے کہ تمام سرداران مکہ کاشانہ نبوت کا گھیراؤ اس نیت سے کیے ہوئے ہیں کہ موقع ملتے ہی معاذ اللہ نبی کریم ﷺ کو قتل کر ڈالیں گے۔ ایسے موقع پر بستر رسول پر سونا کوئی معمولی جرأت نہیں۔

ہجرت مدینہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے تمام صحابہ کرام میں عہد مواخاۃ قائم کیا اور ہر مہاجر صحابی کو ایک انصاری صحابی کا بھائی قرار دیا لیکن حضرت علیؓ کے متعلق ارشاد ہوا "انت اخی" (٤٦)

نبی کریم ﷺ کے ساتھ تمام مغازی میں ماسوائے غزوہ تبوک آپ شریک رہے اور دشمنان اسلام پر اپنی ایمانی حمیت و غیرت، اپنی شجاعت و بہادری کی دھاک بٹھا دی۔

حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت جو شوریٰ بنائی تھی آپ کو اس کا رکن نامزد کیا تھا اور آپ ہی حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سب سے پہلے بیعت کرنے والے تھے۔ (٤٧)

حضرت علیؓ کو نبی کریم ﷺ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور ہدایت کی کہ ہمیشہ فیصلہ سے قبل فریقین کے موقف کو پوری توجہ سے سننا، حضرت علیؓ نے اس ہدایت پر عمل کیا اور کبھی فیصلہ میں وقت کا سامنا نہ ہوا۔ (٤٨)

اسی قضا کے دوران آپ احکام قرآن پر غور و فکر اور تدبر کیا کرتے اور ان کی روشنی میں فیصلے فرمایا کرتے۔ ابو نعیم کے مطابق آپ قرآن کریم، اس کے معارف و معانی، اسباب اور دیگر متعلقات پر گہری دسترس رکھتے تھے۔ (٤٩)

زید بن ثابت بن الضحاک ابوسعید/ابوالخارجہ الانصاری م:۴۵ھ/۶۶۵ء

زید بن ثابت انصار میں سے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو اس وقت زید کی عمر گیارہ سال تھی۔ (۵۰)

آپ کے والد ہجرت سے قبل اوس و خزرج کے درمیان ایک معرکہ میں قتل کر دیئے گئے تھے۔ زید بن ثابت نے نبی کریم ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد آپ سے ملاقات کی اور مشرف باسلام ہوئے۔ آپ کی ذکاوت و فطانت اور قوت حافظہ امتیازی شان رکھتی تھی۔ ابن حجر کے مطابق نبی کریم ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد آپ کی جب ملاقات نبی کریم ﷺ سے ہوئی تو آپ نے زید کے سامنے قرآن کریم کی سترہ سورتیں تلاوت کیں، زید نے ایک دفعہ سن کر یاد کر لیں اور اسی وقت نبی کریم ﷺ کو سنا دیں جس پر نبی کریم ﷺ حیران ہوئے اور حکم دیا کہ یہود کی کتاب بھی سیکھو، وہ کتاب آپ نے پندرہ دن میں یاد کرلی۔ پھر نبی کریم ﷺ کے حکم سے آپ نے سترہ روز میں سریانی زبان پر عبور حاصل کرلیا۔(۵۱)

کم سنی کی بناء پر آپ کو غزوہ بدر واحد میں شرکت کی اجازت نہ ملی، اور پہلی مرتبہ آپ غزوہ خندق میں شامل ہوئے۔ آپ نبی کریم ﷺ کے کاتبان وحی میں سے تھے اور قرآن کریم کے امین کے لقب سے آپ کو یاد کیا جاتا تھا۔ آپ نے صدیق اکبرؓ اور عثمان غنیؓ کے زمانہ میں مصحف قرآن کی ترتیب میں اہم خدمات سرانجام دیں اور قرآن کریم کے نسخوں کی کتابت کی۔ آپ نے بارہا قرآن کریم نبی کریم ﷺ کو سنایا۔ ابوہریرہؓ اور عبداللہ بن عباسؓ جیسے کبار صحابہ، ابوعبدالرحمٰن السلمی اور ابو العالیہ الریاحی جیسے ممتاز تابعین نے آپ ہی سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی۔ (۵۲)

زیدؓ نہ صرف قرآن کریم کے حافظ تھے بلکہ علوم قرآنی اور حکمت فرقانی پر گہرا عبور رکھتے تھے۔ تفسیر قرآن کریم میں صحابہ اور کبار تابعین آپ کے مشورہ اور رائے کو اہمیت دیتے تھے۔ ابن حجر کے بقول آپ اصحاب فتویٰ میں سے تھے، یہ وہ

مقام ہے کہ جس کو صحابہ کی جماعت میں سے صرف چھ اشخاص نے حاصل کیا۔ زیدؓ ان میں سے ایک تھے۔ (۵۳)

خلفاء راشدین کے عہد میں خصوصاً حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں آپ اہم سرکاری مناصب پر بھی فائز رہے۔ راجح اور صحیح قول کے مطابق آپ نے ۴۵ھ/۶۶۵ء میں وفات پائی۔ آپ کی وفات پر ابوہریرہؓ نے فرمایا۔

"آج حبر الامۃ کی وفات ہوئی ہے۔" (۵۷)

آپ سے ابن عمرؓ، ابو سعیدؓ، ابوہریرہؓ، انس بن مالکؓ، سھل بن سعد الساعدی، سہل بن حنیف، عبداللہ بن یزید اعظمی جیسے کبار صحابہ نے اور سعید بن المسیب، قاسم بن محمد، سلیمان بن یسار، ابان بن عثمان، بشیر بن سعید، اور آپ کے دونوں برخوردار خارجہ وسلیمان جیسے کبار تابعین نے کسب فیض کیا۔ (۵۵)

جمع قرآن کے سلسلہ میں زید کی خدمات بہت بنیادی نوعیت کی ہیں۔ حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ بن عباسؓ جیسے صحابہ نے آپ سے قرآن کریم پڑھا اور اس کے معانی کو سمجھا۔

عمران بن حصین بن عبید الخزاعی ابونجید م: ۵۲ھ/۶۷۲ء

عمران بن حصین غزوہ خیبر کے سال اسلام لائے۔ آپ بنو خزاعہ کے ممتاز افراد میں شمار ہوتے تھے۔ اور فتح مکہ کے دن بنو خزاعہ کا جھنڈا آپ کے ہی ہاتھ میں تھا۔ آپ نے نبی کریم ﷺ سے کثیر تعداد میں احادیث نقل کی ہیں۔ علوم نبویہ کی اشاعت میں آپ کی خدمات بنیادی اور اساسی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ سب سے پہلے بصرہ پہنچے اور وہاں اشاعت اسلام دروازہ کھولا۔ روایات کے مطابق حالت مرض میں فرشتے آپ کو سلام کیا کرتے تھے۔ بصرہ میں آپ کی وفات ۵۲ھ/۶۷۲ء میں ہوئی۔ آپ سے آپ کے بیٹے نجید بن عمران، ربیع بن خراش، مطرف، ابوالعلاء، صفوان بن محرز جیسے کبار مشائخ نے استفادہ کیا۔ (۵۶)

امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں عمران سے ایک روایت نقل کی ہے جو ایک آیت کے شان نزول کے بارہ میں ہے۔ (۵۷)

سعد بن ابی وقاصؓ م:۵۵ھ/۶۷۴ء

حضرت سعد بن ابی وقاص جن کی کنیت ابواسحٰق تھی، خاندان قریش کے ایک عظیم المرتبت فرزند ہیں۔ آپ کے والد ابو وقاص کی کنیت سے معروف تھے۔ جب کہ ان کا نام مالک بن وھیب تھا۔ عبد مناف پر تیسری پشت میں آپ کا نسب نبی کریم ﷺ سے ملتا ہے۔ آپ کی والدہ سفیان بن امیہ کی صاحبزادی حمنہ ہیں۔ اس طرح والدہ کا شجرہ نسب عبد شمس پر حضرت عثمان غنیؓ سے اور عبد مناف پر نبی کریم ﷺ سے ملتا ہے۔ حضرت سعدؓ کے نسب سے متعلق نبی کریم ﷺ کا ایک ارشاد منقول ہے جس سے آپ کے نسب کی توثیق ہوتی ہے۔

ابن سعدؒ کے مطابق ایک مرتبہ آپ نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ میں کون ہوں؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

"انت سعد بن مالک بن وهيب بن عبد مناف بن زهره من قال غير ذالک فعليه لعنة الله"(۵۸)
(تم سعد بن مالک بن وھیب بن عبد مناف بن زہرہ ہو اور جو اس کے علاوہ کوئی نسب بیان کرے اس پر اللہ کی لعنت ہو)

حضرت سعدؓ سابقین اولین میں سے ہیں اور اس وقت مسلمان ہوئے جب کہ ابھی صرف دو اشخاص مسلمان ہوئے تھے اور آپؓ کی عمر سترہ سال تھی۔ (۵۹) اور آپ کے چہرہ پر ابھی داڑھی نہ تھی۔ (۶۰)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ پہلے مسلمان ہیں۔ جنھوں نے اللہ کے راستہ میں تیر اندازی کی ابتداء کی۔ (۶۱)

اور اس ابتداء کے بعد سے آپ نے غزوات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

غزوہ احد میں آپ بڑی آزمائش میں مبتلا ہوئے، ایک روایت کے مطابق اس روز آپ نے ایک ہزار تیر چلائے۔ تیر و تلوار کے جہاد کے دھنی اسی فرزند اسلام کے سر قادسیہ، مدائن اور عراق جیسی فتوح ہیں جو تاریخ اسلامی میں اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حضرت سعدؓ کی تاریخ وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن حجر نے تمام روایات کو جمع کیا ہے ابن سعدؒ اور ذھبی کے مطابق آپ کی وفات ۵۵ھ/۶۷۴ء میں ہوئی اس وقت آپ کی عُمر ستر سال سے زائد تھی۔ (٦٢)

آپؓ کبار صحابہ کی صف میں شامل ہیں، ان دس صحابہ میں سے ہیں جن کو نبی صادق کی جانب سے جنت کی بشارت دی گئی تھی اور ان چھ صحابہ میں سے ہیں جن کے درمیان حضرت عُمرؓ نے اپنی شہادت کے وقت امیر خلافت کو دائر کر دیا تھا۔ امام ذھبی نے آپ کو ثقہ رواۃ کے طبقہ اول میں شمار کیا ہے اور آپ کے مطابق ائمہ ستہ نے آپ سے روایات تخریج کی ہیں۔ (٦٣)

ابن حجر کے مطابق آپؓ نے نبی کریم ﷺ سے براہ راست نقل روایات کے علاوہ خولہ بنت حکیم سے بھی احادیث نقل کی ہیں۔ جب کہ آپ سے آپ کی اولاد ابراہیم، عامر، عمر، محمد، مصعب ابنائے سعد اور عائشہ بنت سعد، حضرت عائشہ صدیقہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، جابر بن سمرۃ، سائب بن یزید، قیس بن عباد، عبداللہ بن ثعلبہ، ابو عثمان نہدی، ابو عبدالرحمٰن سلمی، علقمہ بن قیس، بشر بن سعد، ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف، احنف بن قیس، شریح بن ھانی، عمرو بن میمون الاودی، مالک بن اوس بن الحر شانی، مجاہد بن جبیر بن دینار، ابو عبداللہ القراظ، غنیم بن قیس کے علاوہ کبار صحابہ و تابعین کی ایک بڑی جماعت کو آپ سے نقل روایات کا اعزاز اور شرف تلمذ حاصل ہے۔ (٦٤)

امام بخاریؒ نے مصعب بن سعدؒ کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں مصعب نے اپنے والد سعد سے قل ھل انبئکم بالاخسرین اعمالاً (٦٥) کی تفسیر دریافت کی اور حضرت سعدؓ نے اس کی تفسیر بیان کی۔ (٦٦)

عائشہؓ بنت ابی بکر صدیق ام المومنین م:۵۷ھ/۶۷۶ء

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دو اعلیٰ ترین نسبتوں کی مالک واحد خاتون صحابیہ ہیں۔ افضل ترین صحابی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دختر اور امام الانبیاء، افضل الرسل کی زوجہ محترمہ، ام المومنین، آپ نبی کریمؐ کی بعثت کے چار یا پانچ سال بعد پیدا ہوئیں۔ آپؐ نے ہجرت سے قبل جب کہ حضرت عائشہ کی عمر چھ سال تھی نکاح فرمایا اور ہجرت کے بعد جب کہ آپ کی عمر نو سال تھی، رخصت کر کے اپنے گھر لائے۔ (۶۷)

امہات المومنین میں حضرت عائشہؓ کی نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر حیوۃ میں رفاقت سب سے زیادہ طویل ہے۔ حضرت عائشہؓ ان صحابہ کرام میں سے ہیں کہ فقہ، حدیث اور تفسیر پر جن کا علم ایک مسلمہ حیثیت رکھتا ہے۔ کبار صحابہ آپ سے علم فقہ و حدیث اور نبی کریمؐ کی سیرت مطہرہ جیسے علوم میں استفادہ کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ابوبردہ بن ابی موسیٰ اپنے والد ابوموسیٰ اشعری سے نقل کرتے ہیں کہ ہمیں (صحابہ کرامؓ کو) جب کوئی مشکل پیش آتی اور اس مسئلہ کا حل کسی کے پاس نہ ہوتا تو ہم حضرت عائشہؓ سے رجوع کرتے اور ان سے ہمیں ہر مسئلہ کا علم حاصل ہو جاتا۔ آپ کی وفات ۱۷ رمضان المبارک ۵۷ھ/۶۷۶ء یا ۵۸ھ/۶۷۷ء کو ہوئی۔ کبار صحابہ اور کبار تابعین نے آپ سے روایات نقل کی ہیں اور صحابہ میں ان مکثرین صحابہ میں شمار ہوتی ہیں جنہوں نے ایک ہزار سے زائد احادیث نقل کی ہیں۔ آپ کے تلمیذ ارشد حضرت عروہ بیان کرتے ہیں:

> "علم فقہ، طب اور ادب میں، میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ علم والا کسی کو نہیں پایا اور اگر عائشہؓ کی اور کوئی فضیلت نہ ہوتی تو واقعہ افک جس پر ان کی شان میں آیات قرآنی نازل ہوئیں جو قیامت تک تلاوت کی جاتی رہیں گی، تو ان کی فضیلت اور بزرگی کے لیے بہت کافی تھا" (۶۸)

حضرت عائشہؓ بے مثال صفت سخاوت کی مالک تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابوہریرہؓ، ابوموسیٰؓ، زید بن خالد، عبداللہ بن عباسؓ، ربیعہ بن عمرو، سائب بن یزید، صفیہ بنت شیبہ، عبداللہ بن عمار بن ربیعہ، عبداللہ بن الحارث بن نوفل جیسے کبار صحابہ اور علقمہ، سعید بن المسیب اور عمرو بن میمون جیسے کبار تابعین نے آپ سے کسب فیض کیا۔ (٦٩)

آپ کی روایات کی تعداد چونکہ ایک ہزار سے زائد ہے اس لیے آپ کو مکثرین صحابہ میں فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے المستدرک میں بکثرت آپ کی روایات تفسیر نقل کی ہیں۔ بخاری میں منقولہ روایات تفسیر کی تعداد ٣٦ ہے۔ (٧٠)

علاوہ ازیں عبادلہ ابناء عمرو عباس اور ابوہریرہؓ کی تفسیری روایات میں سے اکثر کا مدار حضرت عائشہؓ ہی ہیں۔

عبدالرحمٰن بن صخر الدوسی الیمانی ابوہریرہ م: ٥٨ھ/٦٧٧ء

حضرت عبدالرحمٰن بن صخر ابوہریرہؓ کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ روایت حدیث میں جو ممتاز و اعلیٰ مقام رکھتے ہیں، وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ابوہریرہ کے اصل نام میں اختلاف ہے۔ ابن حجر نے الاصابہ میں ان مختلف اقوال کو نقل کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ صحت روایت کے اعتبار سے تین ناموں کا غالب گمان ہوتا ہے۔ عمیر، عبداللہ اور عبدالرحمٰن پہلے دو نام قبل از اسلام اور بعد از اسلام کے اور تیسرا نام صرف اسلام کے بعد۔ یہ روایت بھی منقول ہے کہ قبل از اسلام آپ کا نام عبد شمس تھا، ٧ھ/٦٢٨ء جب آپ نبی کریمؐ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے تو آپؐ نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ اور کیونکہ آپ کے ساتھ ہر وقت ایک بلی رہتی تھی اس لیے آپ کو ابوہریرہ (بلی والا) کے لقب سے یاد کیا گیا۔ ٧ھ میں آپ نے اسلام قبول کرنے کے بعد صفہ میں سکونت اختیار کرلی اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہوکر قرآن کریم، نبی کریمؐ کی احادیث کے حفظ اور آپ کی

سنت اور طریقہ کے گہرے مطالعہ میں مسلسل تین سال صرف کیے۔ صفہ میں قیام کے دوران بعض اوقات فاقوں کی وجہ سے نوبت یہاں تک آجاتی تھی کہ پیٹ پر پتھر باندھنے پڑجاتے تھے۔ ابوہریرہؓ صحابہ کرام میں حدیث کے سب سے بڑے عالم وہ حافظ شمار ہوتے تھے۔ پانچ ہزار تین سو سے زائد احادیث آپ سے منقول ہیں۔ آپ نے کبار صحابہ، حضرت ابوبکر، عمر بن الخطاب، فضل بن عباس، ابی بن کعب، اسامہ بن زید اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایات نقل کیں جب کہ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، انس بن مالک، واثلہ بن اسقع جیسے صحابہ مروان بن الحکم، قبیصہ بن ذوئیب، عبداللہ بن ثعلبہ، سعید بن میبّب، عروہ بن زبیر ودیگر کبار تابعین نے آپ سے کسب فیض کیا۔

"روی عنه نحوثما نمائته من اهل العلم و كان احفظ من روى الحديث فى عمره" (۷۱)

(آپ سے تقریباً آٹھ سو اہل علم نے کسب فیض کیا اور آپ اپنے زمانہ کے محدثین میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے)

ذہانت و ذکاوت اور قوت حافظہ میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ مروان نے ایک مرتبہ آپ کا امتحان اس طرح لیا کہ آپ سے سو احادیث زبانی سنیں اور وہ تمام احادیث اس کی ہدایت پر پس پردہ لکھ لی گئیں جس کا ابوہریرہ کو علم نہ ہوا۔ ایک سال بعد مروان نے پھر اسی موضوع پر آپ سے احادیث دریافت کیں، آپؓ نے تمام احادیث بلاکم و کاست نقل کر دیں حتی کہ ترتیب بھی وہی تھی۔ (۷۲)

آپ کے شوق علم اور طلب حدیث کے شوق کی شہادت خود نبی کریمؐ نے بھی دی۔ (۷۳)

علم حدیث کا یہ چراغ ۵۸ھ/۶۷۷ء یا ۵۷ھ/۶۷۶ء تک بذات خود روشن رہا اور پھر ہزاروں چراغوں کو روشن کر کے عالم بقا کی طرف کوچ کر گیا کہ یہ عالم فانی ہے اور اس عالم کی ہر شے کو کسی نہ کسی وقت فنا ہونا ہے۔ لیکن ابوہریرہؓ کا نام آج بھی

علم حدیث میں ایک روشن ستارہ کی طرح جگمگا رہا ہے۔(۷۴)

عقبہ بن عامر بن عبس الجہنی م:۵۸ھ/۶۷۷ء

آپ کا شمار انصار صحابہ میں ہوتا ہے آپ نے بیعت عقبہ اولیٰ میں شرکت کی اور نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے۔ آپ نے بدر واحد میں شرکت کی۔ آپ علوم نبویہ خصوصاً علم تفسیر، علم میراث اور علم قراۃ میں ایک اعلیٰ و ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں جن لوگوں نے جمع و کتابت قرآن کریم کی سعادت حاصل کی، عقبہ ان میں سے ایک ہیں۔ آپ کا تحریر کردہ مصحف (نسخہ قرآن) مصر بھیجا گیا تھا۔

معاویہ کے دور خلافت میں ۵۸ھ/۶۷۷ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابو امامہ، جبیر بن نفیر، بعج بن عبداللہ الجہنی ابو ادریس الخولانی جیسی صحابہ کرام کے علاوہ اہل مصر کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے کسب فیض کیا۔(۷۶)

عبداللہ بن عمرو بن عاص ابو محمد م:۶۵ھ/۶۸۴ء

عبداللہ بن عمرو بن العاص کا شمار اجل صحابہ، علماء، فقہا محدث و مفسر صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے والد عمرو بن العاص سے صرف ۱۲ سال چھوٹے تھے، لیکن اپنے والد سے قبل اسلام لائے۔ ذھبی کے مطابق نبی کریم ﷺ آپ کو والد پر فضیلت اور برتری دیا کرتے تھے۔(۷۷)

عبداللہ بن عمرو بن العاص نبی کریمؐ کے فرامین لکھا کرتے تھے اور آپ کا مرتب کردہ "صحیفہ الصادقہ" عہد نبوی کے مصاحف میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ ابن اثیر کے مطابق اس صحیفہ میں ایک ہزار احادیث جمع تھیں۔(۷۸)

امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں اس صحیفہ کو نقل کیا ہے۔(۷۹)

اس صحیفہ کی صحت و ثقاهت پر دو شہادتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

۱۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ میں آپ کے اقوال تحریری شکل میں مرتب کرنا چاہتا ہوں کیا آپ کا ہر قول لکھ لیا کروں یا صرف وہ اقوال حطہ تحریر میں لایا کروں جو آپؐ نشاط وخوشی کی حالت میں فرمایا کرتے ہیں۔ نبی کریم نے ارشاد فرمایا:

"اکتب فوالذی نفسی بیده ما خرج منه، الا حق و اشار بیده الی فیه" (۸۰)

(لکھ لیا کرو خدا کی قسم ان دولبوں کے درمیان جو زبان ہے اس سے کلمہ حق کے سوا کچھ نہیں نکل سکتا)

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ جو راویان حدیث میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اس صحیفہ کے متعلق فرماتے ہیں:

"ما من اصحاب النبی ﷺ احد اکثر حدیثاً عنه منی الا ما کان من عبدالله بن عمرو فانه کان یکتب ولا اکتب"(۸۱)

(صحابہ کرامؓ میں مجھ سے زیادہ کوئی حافظ حدیث نہیں سوائے عبداللہ بن عمرو بن العاص کے کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا)

مصر میں آپ کی وفات ۶۵ھ/۶۸۴ء میں ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب کہ مروان بن الحکم اور ابن زبیر کے سپاہی آپس میں نبرد آزما تھے اور فسطاط کو اپنے حصار میں لیا ہوا تھا، اس حصار کی وجہ سے آپ کا جنازہ بھی باہر نہ لایا جاسکا اور آپ کو گھر میں دفن کر دیا گیا۔ آپ سے المسیب، عکرمہ، ابوعبدالرحمٰن الحبلی، عروۃ، وھب، ابن ابی ملیکہ اور ابوعمرو شعیب بن محمد جیسے اجل تابعین نے کسب فیض کیا۔ (۸۲)

عبداللہ بن عمرو بن العاص نے حروف قرآن کریم سے متعلق روایات نقل کی ہیں۔ آپؓ ان صحابہ میں سے ہیں جنھوں نے نبی کریمؐ کی حیوۃ مبارکہ میں قرآن کریم حفظ کیا تھا۔ (۸۳)

حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ابو العباس القرشی، الہاشمی ٦٨ھ/٦٨٧ء

عبداللہ بن عباسؓ نبی کریم ﷺ کے عم زاد، ہجرت نبوی سے تین سال قبل اس وقت پیدا ہوئے جب کہ بنو ہاشم کو قریش مکہ کے مقاطعہ کا سامنا تھا اور قبیلہ قریش کے تمام افراد شعب ابی طالب میں محصور تھے۔ حضرت عبداللہ خاندان بنو ہاشم کے ایک ایسے چشم و چراغ تھے کہ جن پر افراد خاندان کو بجا طور پر فخر تھا۔ آپ کو "حبر الامۃ" جیسے عظیم الشان لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ نبی کریمؐ نے آپ کے لیے خصوصی دعا کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں استدعا کی تھی۔

"اللھم علمه الکتاب والحکمة"(٨٤)
(اے اللہ اسے کتاب وحکمت کی تعلیم دے)

آپ کی اسی دعا کا اثر تھا کہ علم تفسیر، حدیث، فقہ، قانون اسلامی، عربی زبان و ادب اور سیر و مغازی پر اپ کو امتیازی دسترس حاصل تھی۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے وقت آپ کی عمر ١٣ سال تھی، نبی کریمؐ آپ کے ساتھ خصوصی شفقت فرماتے تھے اور متعدد مواقع پر آپ نے ابن عباسؓ کے لیے علم وتقویٰ اور فہم دین کی دعا کی۔ ابن سعدؒ کی ایک روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نبی کریمؐ کے ارشادات تحریر کرتے تھے۔ ابن سعد نقل کرتے ہیں:

"وضع عندنا کریب حمل بعیر او عدل بعیر من کتب ابن عباس" (٨٥)
(ہمارے پاس کریب نے ایک گدھے کے برابر ابن عباس کی کتب رکھی تھیں)

آپؓ نے قرآن کریم کا بیشتر حصہ نبی کریمؐ کے زمانہ حیات ہی میں حفظ کرلیا تھا اور بعض حصہ کو تحریر کرلیا تھا، قرآن کریم کے مکمل حفظ کے بعد آپ نے ابی بن کعب اور زید بن ثابتؓ کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کی۔ ٦٨ھ/٦٨٧ء میں طائف میں وفات ہوئی۔ ابن الحنفیہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان تاثرات

کا اظہار کیا۔

"الیوم مات ربانی هذه الامة" (٨٦)

عمرو بن دینار ابن عباسؓ کے متعلق فرماتے ہیں:

"ما رائیت مجلساً قط اجمع لکل خیر من مجلس ابن عباس للحلال و الحرام و تفسیر القرآن والعربیة والشعر و الطعام"(٨٧)

(میں نے عبداللہ بن عباسؓ کی مجلس جیسی جامع خیرات کسی کی مجلس نہیں دیکھی کہ جس میں احکام حلال و حرام، تفسیر قرآن، ادب و شعر عربی جیسے علوم پر عمدہ مباحث کے علاوہ لذیذ کھانے بھی ہوتے تھے)۔

خطیب کی روایت کے مطابق حضرت عمر فاروقؓ کو آپ سے بہت قریبی تعلق تھا، آپ کی علمی ذہانت کے قائل تھے، کبار صحابہ کی موجودگی سے آپ سے مشورہ کرتے اور یہ کہتے تھے، نعم ترجمان القرآن ابن عباس (٨٨) (ابن عباسؓ بہترین ترجمان قرآن ہیں)

علامہ ابن جریر نے تفسیر میں مختلف صحابہ کے اقوال نقل کیے ہیں جنہوں نے ابن عباسؓ کی تفسیر کی تحسین و توثیق کی ہے ان صحابہ میں حضرت علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ شامل ہیں۔ (٨٩)

حضرت عبداللہ بن زبیر بن العوام ابوبکر القرشی م:٧٣ھ/٦٩٢ء

حضرت زبیر بن العوام کا شمار کبار صحابہ میں ہوتا ہے آپ کے برخوردار عبداللہ بھی صحابہ کی صف میں امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نواسے، حضرت اسماء کے لخت جگر تھے۔ ہجرت مدینہ کے بعد کسی مہاجر کے ہاں پیدا ہونے والے آپ پہلے مولود تھے۔ واقدی کے مطابق آپ کی پیدائش شوال ٢ھ میں ہوئی۔ (٩٠)

حضرت اسماءؓ کے بیان کے مطابق آپ کو پیدائش کے فوراً بعد نبی کریمؐ کی خدمت میں لے جایا گیا اور آپ نے ایک کھجور اپنا لعاب لگا کر ابن زبیرؓ کے منہ میں دی یعنی آپ کے پیٹ میں سب سے پہلے جو چیز گئی وہ نبی کریم ﷺ کا لعاب دھن تھا۔ (۹۱)

سات یا آٹھ برس کی عمر میں آپ نے نبی کریمؐ کے دست مبارک پر بیعت کی آپ حد درجہ عبادت گزار تھے، کوئی رات قیام میں گزرتی کوئی رکوع میں اور کوئی سجدہ میں۔ مسلم بن یناق المکی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ابن زبیرؓ کو رکوع میں حالت میں دیکھا میں نے سورۃ بقرۃ، آل عمران، نساء اور مائدہ کی تلاوت کی لیکن انہوں نے رکوع سے سر نہیں اُٹھایا۔ (۹۲)

آپ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے ساتھ معرکہ افریقہ میں شریک ہوئے آپ ہی کے ہاتھ سے افریقی بادشاہ جرجیر قتل ہوا تھا۔

عبدالملک بن مروان اور مروانؒ کے ادوار حکومت میں آپ کو سختیوں کا سامنا کرنا پڑا جمادی الاول ۷۳ھ/۶۹۲ء میں حجاج بن یوسف نے آپ کو قتل کیا۔ (۹۳)

دانی کے مطابق آپ سے حروف قرآنی کے متعلق روایات منقول ہیں اور ابن عباسؓ آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"قدیم فی الاسلام قاری القرآن" (۹۴)

سعد بن مالک بن سنان الانصاری ابوسعید الخذری م: ۷۴ھ/۶۹۳ء

سعد بن مالکؓ اپنی کنیت، ابوسعید الخذری سے زیادہ معروف ہیں۔ غزوہ احد کے موقع پر ابوسعید کو ان کی صغرسنی کی بنا پر نبی کریم ﷺ نے واپس کر دیا تھا البتہ آپ کے والد مالک بن سنان اس غزوہ میں شریک ہوئے اور شہادت پائی۔ ابن اثیر کی ایک روایت کے مطابق غزوہ خندق کے موقع پر آپ کی عمر تیرہ سال تھی اور آپ کو آپ کے والد محترم نے نبی کریمؐ کے سامنے لڑائی کے لیے پیش کیا تو آپؐ

نے کم سنی کی وجہ سے لوٹا دیا۔ البتہ غزوہ بنی مصطلق میں آپ شریک تھے۔ اس وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی۔ (۹۵)

نبی کریم ﷺ کے اقوال و ارشادات کے عمدہ حافظ اور آپ کی سنت کے بہترین محافظ تھے۔ آپ اصحاب صفہ میں سے تھے اور علم حدیث سے گہرا شغف رکھتے تھے۔ آپ کو مکثرین صحابہ میں شمار کیا گیا ہے۔

ذھبی کے مطابق صحیح بخاری و مسلم میں آپ سے ۴۳، صرف بخاری میں سترہ اور صرف مسلم میں ۵۲ احادیث منقول ہیں۔ (۹۶)

آپ علماء صحابہ میں شمار ہوتے تھے اور مدت دراز تک فتاوی دیتے رہے۔ بیعت رضوان میں بھی آپ موجود تھے۔ ۷۴ھ/۶۱۳ء کے اوائل میں ۸۶ برس کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔ (۹۷)

حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، علی بن ابی طالب، زید بن ثابت جیسے کبار صحابہ سے آپ نے کسب فیض کیا جب کہ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن العاص، اور جابر بن عبداللہ جیسے فقہاء صحابہ محمود بن لبید، ابو امامہ بن سہل اور ابو الطفیل جیسے صحابہ، ابن المسیب، ابوعثمان الهندی، طارق بن شہاب، عبید بن عمیر اور عطاء جیسے کبار تابعین نے آپ سے کسب فیض کیا۔ (۹۸)

عبداللہ بن عمر الخطاب ابوعبدالرحمٰن العدوی م: ۷۴ھ/۶۹۳ء

ابوعبدالرحمٰن امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب کے فرزند ارجمند ہیں۔ ۳ نبوی میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اپنے والد محترم حضرت عمرؓ کے ساتھ ہی حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اس وقت آپ سن بلوغ نہ پہنچے تھے۔ آپ نے اپنے والد سے قبل مدینہ منورہ ہجرت کر لی تھی۔ اسی بناء پر بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کے اسلام کو والد سے قبل بتایا ہے۔ جب کہ صحیح یہ ہے کہ آپ اپنے والد کے ہمراہ اسلام لائے۔

غزوہ بدر میں آپ کو صغیر سنی کی وجہ سے شریک نہیں کیا گیا احد میں آپ کی

شرکت مختلف فیہ ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک شرکت کی جب کہ بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ آپ کو احد میں بھی واپس کر دیا گیا تھا۔ غالب گمان یہی ہے کہ آپ احد میں شریک نہ ہوئے ہوں گے کیونکہ ابوسعید الخدری کو غزوہ خندق میں تیرہ سال کی عمر میں واپس کر دیا گیا۔ اور احد میں آپ کی عمر بھی تیرہ سال تھی۔ ابن سعدؒ اور ابن اثیر نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا ہے کہ آپ نے خندق سے قبل کسی غزوہ میں شرکت نہیں کی۔ (۹۹)

افریقہ اور مصر کی فتوحات آپ ہی کی رہین منت ہیں۔

آپ اتباع سنت رسولؐ میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ ابن اثیر کے مطابق آپ اپنے اسفار میں ان درختوں کے نیچے آرام کرتے جہاں نبی کریمؐ نے آرام فرمایا تھا۔ اسی مقام پر نماز ادا کرتے جہاں نبی کریم ﷺ نے ادا کی تھی۔(۱۰۰)

امام مسلم نے آپ کی اتباع کی ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے نبی کریمؐ کو عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت دیتے سنا ہے پس اگر عورتیں تم سے مسجد میں آنے کی اجازت طلب کریں تو انہیں اجازت دے دینا، اس پر بلال بن عبداللہ بن عمر نے عرض کیا کہ ہم ان کو منع کریں گے وہ اس کو آوارگی کا بہانہ بنائیں گی اس پر ابن عمرؓ شدید ناراض ہوئے۔ ان کی ناراضگی کو راوی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"فاقبل علیه عبدالله فسبه سباً سیئاً ماسمعته، سبه مثله قط"(۱۰۱)

(عبداللہ بن عمر ان کی طرف غصہ سے متوجہ ہوئے اور ان کی اس قدر سرزنش کی ایسے سخت کلمات میں نے کبھی نہ سنے تھے) آپ نے نبی کریمؐ کے اقوال براہ راست نبی کریم ﷺ سے، حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق، عثمان غنی، ابوذر غفاری، معاذ بن جبل اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیے ہیں صحابہ کرام میں عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، آپ کے فرزندگان، سالم، حمزہ اور بلال، زید،

عبداللہ حفص بن عامر (آپ کے بھتیجے) نے آپ سے سماع کیا جب کہ سعید بن المسیب علقمہ بن وقاص، ابوعبدالرحمٰن، مسروق، جبیر بن نضیر، اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ جیسے کبار تابعین نے آپ سے کسب فیض کیا۔

۷٤ھ/٦٩٣ء میں آپ کی وفات ہوئی اس وقت آپ کی عمر باختلاف روایات ۸۴ یا ۸٦ برس تھی۔ (۱۰۲)

آپ سے حروف قرآن کریم کی وضاحتوں پر روایات منقول ہیں۔ (۱۰۳)

انس بن مالک بن النضر ابوحمزہ الانصاری م:۱۳ھ/۷۱۱ء

خادم رسولؐ انس بن مالک نبی کریمؐ سے روایت کرنے والے صحابہ کی مکثرین جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ فروکش ہوئے تو آپ کی والدہ ام سلیم آپ کو لے کر نبی کریم کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ یہ آپ کے پاس رہے گا اور آپ کی خدمت کرے گا۔ آپ نے قبول فرمالیا۔ اس وقت انس بن مالکؓ کی عمر دس برس تھی۔ اس وقت سے نبی کریم ﷺ کے وصال تک انسؓ آپ کی خدمت میں رہے۔ آپ اگرچہ غزوہ بدر میں حاضر تھے لیکن کم سنی کی وجہ سے کیونکہ قتال میں حصہ نہیں لیا تھا اس لیے بدریین میں شمار نہیں ہوئے۔ آپ نے درس گاہ نبوت کے علاوہ ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، ابی بن کعبؓ و دیگر صحابہ سے کسب فیض کیا۔

آپ نے نبی کریم ﷺ کی طویل اور مسلسل صحبت اور صحابہ مقربین سے کسب فیض کی بنا پر کثرت سے نبی کریمؐ کے ارشادات نقل کیے ہیں۔ امام بخاریؒ نے آپ سے اسی احادیث نقل کی ہیں، امام مسلم نے ستر اور ائمہ بخاری و مسلم نے متفقہ طور پر ۱۲۸ احادیث نقل کی ہیں یعنی بخاری میں آپ سے نقل کردہ روایات کی تعداد ۲۰۸، اور مسلم میں ۱۹۸ ہے۔

آپ کی وفات کے متعلق ذھبیؒ نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔

آپ کے بعض تلامذہ نے آپ کی وفات ۹۳ھ/۷۱۱ء میں بتائی ہے۔ اور ذھبی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے جب کہ بعض دیگر تلامذہ نے ۹۱ھ/۷۰۹ء۔ ۹۲ھ/۷۱۰ء اور ۹۰ھ/۷۰۸ء بتائی ہے۔(۱۰۴)

البتہ اس قدر اتفاق ہے کہ آپ جماعت صحابہ کے آخری چشم و چراغ تھے۔

صحابہ کرامؓ کی جماعت سعیدہ میں مذکورہ صحابہ تو وہ تھے جنہوں نے روایات تفسیر کثیر تعداد میں نقل کی ہیں۔ اور تاریخ تفسیر میں ان کا نام ایک بنیاد و اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے علاوہ چند ایسے صحابہ ہیں جنہوں نے معدودے چند روایات تفسیر نقل کی ہیں۔ عام طور پر ان حضرات کو مفسر صحابہ میں شمار نہیں کیا جاتا ذیل میں ان صحابہ کے نام دیئے جاتے ہیں۔

زبیر بن العوام۔	م ۳۰ھ/۶۵۰ء
خباب بن الارت	م ۳۷ھ/۶۵۷ء
سھل بن حنیف	م ۳۸ھ/۶۵۸ء
ابو مسعود عقبہ بن عمرو	م/ ۴۰ھ/۶۶۰ء
کعب بن مالک	م/ ۴۰ھ/۶۶۰ء
ابو موسیٰ اشعری	م ۴۴ھ/۶۶۴ء
کعب بن عجرہ	م ۵۱ھ/۶۷۱ء
اُسامہ بن زید	م ۵۴ھ/۶۷۳ء
زید بن ارقم	م ۶۶ھ/۶۸۵ء
معقل بن یسار	م ۶۰ھ/۶۷۹ء اور ۷۰ھ/۶۸۹ء کے درمیان

المسیب بن حزن

ابو سعید بن المعلیٰ م۷۴ھ/۶۹۳ء

عبداللہ بن ابی اوفیٰ م۸۰ھ/۶۹۹ء

سھل بن سعد الساعدی۔ م۹۱ھ/۷۰۹ء

علاوہ ازیں امام بخاری نے کتاب التفسیر میں مشہور مفسر صحابہ کے علاوہ درج ذیل صحابہ کرام سے تفسیری روایات نقل کی ہیں۔

عبداللہ بن زمعہ۔ م۳۵ھ/۶۵۵ء نے سورۃ الشمس میں اذا نبعث اشقاھا کی تفسیر منقول ہے۔(۱۰۵)

سعید بن زید۔ م ۵۰ھ/ ۶۷۰ء کی ایک روایت جس میں من وسلویٰ کے من کی تفسیر نبی کریمؐ سے نقل کی گئی ہے۔(۱۰۶)

سمرۃ بن جندب۔ ۶۰ھ/۶۷۹ء کی ایک مرفوع روایت جس میں آیت خلطوا عملاً صالحاً کی وضاحت کی گئی ہے۔(۱۰۷)

عدی بن حاتم۔ م ۶۸ھ/۶۸۷ء کی روایت جس میں انہوں نے نبی کریمؐ سے الخیط الابیض کی تفسیر نقل کی۔(۱۰۸)

اور ابوبکرۃ نفیع بن حرث کی روایت جس میں اشھر حرم کی وضاحت کی گئی ہے۔(۱۰۹)

امام مسلم نے حارثہ بن وھب اور جریر بن عبداللہ سے روایات تفسیر نقل کی ہیں۔(۱۱۰)

اس طرح حارثہ بن وھب اور جریر کا نام بھی مفسر صحابہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ یہ وہ صحابہ ہیں جن سے ایک یا دو تفسیری روایات منقول ہیں۔

تفسیری امتیازات

علوم اسلامیہ میں سے کسی بھی علم کی تاریخ میں عموماً اور تفسیر وحدیث کی تاریخ میں خصوصاً عہد صحابہ ایک بنیادی و اساسی نوعیت رکھتا ہے۔ اس عہد میں قائم کی جانے والی روایات پر ہی مدار کر کے، اس علم کی عمارت تعمیر کی جاتی ہے اور وہی عمارت مضبوط و مستحکم ہوتی ہے جو ان بنیادوں پر قائم ہو۔

عہد صحابہ کی تاریخ تفسیر کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے تفسیری امتیازات اور تفسیری ماخذ پر بھی اختصار کے ساتھ بحث کر لی جائے تاکہ واضح ہو سکے کہ اس عہد نے آئندہ تفسیر کے لیے کیا رہنما اصول متعین کیے ہیں۔

۱۔ قراءت

قرآن حکیم کے فہم اور اس پر عمل سے پہلے اس کی صحیح تلاوت اور اس کے درست تلفظ کا مرحلہ ہے، صحابہ کرام نے اس ضمن میں کثرت سے روایات بھی نقل کیں اور بکثرت ایسے ادارے بھی قائم کیے جن میں صحیح قرأت و تلفظ سکھانے کا اہتمام کیا گیا ہے، علامہ سیوطی اور ابن الجزری نے قراء صحابہ کے اسماء گرامی کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ (۱۱۱)

۲۔ تفسیر و وضاحت

صحابہ سے منقولہ روایات کا دوسرا امتیاز وہ تفسیر و وضاحت ہے جو انہوں نے کسی لفظ یا آیت کے مفہوم کے بارہ میں نبی کریمؐ سے سنے اس سلسلہ میں صحابہ کرام نبی کریمؐ سے بھی استفسارات کرتے اور آپس میں مذاکرے کیے جاتے، اس کی تفصیلات تفسیری ماخذ کے ضمن میں آئیں گی۔

۳۔ شان نزول

تفسیر و وضاحت کے علاوہ صحابہ کرام سے بکثرت روایات ایسی ملتی ہیں

جن میں کسی آیت یا سورۃ کا شان نزول بیان کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں براء بن عازب، حارثہ بن وھب، خباب بن الارت، سمرہ بن جندب، عدی بن حاتم، سعید بن زید اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات نے باب تفسیر میں اگرچہ روایات نقل کی ہیں لیکن روایات کی اکثریت شان نزول کے واقعہ کے بیان پر مشتمل ہے، اس لیے ان کو عام طور پر مفسر صحابہ میں شمار نہیں کیا گیا لیکن شان نزول تفسیر کے لیے ایک ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے جماعت مفسرین میں ان کا ذکر بھی ضروری ہے۔ (۱۱۲)

٤۔ فضائل سور

دور صحابہ کے تفسیری امتیازات میں ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ قرآن حکیم کی سورتوں کے انفرادی فضائل پر بھی بہت سی روایات نقل کی گئی ہیں لیکن اس ضمن میں یہ بھی افسوسناک پہلو ہے کہ بعد کے دور میں اس موضوع پر روایات وضع کرنے کا سلسلہ شروع ہوا اور انہیں صحابہ کرام سے منسوب بھی کر دیا گیا۔ ابی بن کعب سے سب سے زیادہ روایات منسوب ہیں۔ اگرچہ ابن الجوزی، سیوطی، ابن عراق کنانی، امام بخاری، شوکانی اور ملا علی قاری نے اپنی تصانیف میں ان احادیث کے موضوع ہونے کی صراحت بھی کر دی لیکن اس کے باوجود ثعلبی، واحدی، زمخشری، بیضاوی اور خود شوکانی نے ان احادیث کو نقل کیا اور موضوع ہونے کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔

٥۔ نبی کریمؐ سے تلاوت

بعض سورتوں اور آیات سے متعلق اس قسم کی روایات بھی نقل کی گئیں کہ فلاں سورت نبی کریمؐ نے فلاں وقت تلاوت کی یا مختلف نمازوں میں فلاں فلاں سورتوں کی تلاوت آپ کا معمول تھا۔ اسی قسم کی روایات کے پیش نظر فقہاء نے طوال، اوساط اور قصار کی تقسیم کی۔ اور ان روایات کی روشنی میں فجر و ظہر میں طوال، عصر و عشاء میں اوساط اور مغرب میں قصار کو مستحب قرار دیا۔

٦۔ نسخ

قرآن حکیم چونکہ تدریج و ارتقاء کی منزلیں طۓ کرتا ہوا نازل ہوا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا بعض احکام کو کچھ عرصہ برقرار رکھنے کے بعد منسوخ کر دیا گیا۔ صحابہ کرام نے ایسی روایات بھی نقل کی ہیں جن سے یہ واضح ہوتا کہ فلاں آیت نے فلاں آیت کو یا اس کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ نسخ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں رائے اور اجتہاد کو بالکل دخل نہیں اور اس کا تمام تر دارو مدار نبی کریم ﷺ کے فرمان پر ہے اور آپ کے فرمان کے اولین مخاطب صحابہ کرام ہیں اس لیے ان روایات کو جن میں نسخ بیان کیا گیا باب تفسیر میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

٧۔ احکام

صحابہ کرام نے آیات سے ماخوذ احکام از خود بھی بیان کیے اور نبی کریمؐ سے بھی اس سلسلہ میں استفسارات کیے۔ قرآن حکیم کے فہم و ادراک اور اس پر عمل کرنے کے لیے روایات احکام کو بھی بنیادی و اساسی نوعیت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ ہر عہد کے مفسرین میں ایسے مفسرین بھی پاۓ جاتے ہیں جنھوں نے احکام قرآن پر احادیث کو جمع کیا اور آیات احکام کی تفسیری روایات کو نقل کیا۔

٨۔ جزوی تفاسیر

صحابہ کرام کے دور میں جب کہ نبی کریم ﷺ ابھی حیوۃ تھے، قرآن کریم کا نزول ہو رہا تھا، نزول قرآن سے اس معاصرت کی وجہ سے کسی ایک صحابی نے پورے قرآن کریم کی تفسیر نہیں کی۔ یعنی کسی ایک صحابی سے منقولہ روایات یا اسی کے آثار پر مکمل قرآن حکیم کی تفسیر بیان نہیں کی جا سکتی۔

٩۔ اختلاف کی کمی

تفسیر قرآن حکیم کے سلسلہ میں صحابہ نے فلسفیانہ موشگافیوں کو جگہ دی اور

نہ اس میدان میں عقل کے گھوڑے دوڑائے بلکہ ان تمام تر تکلفات سے مستغنی، بے نیاز اور بالا تر ہو کر خالصتاً نبی کریمؐ کے اقوال اور آپ کی سنن پر مبنی توضیحات پیش کیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان حضرات کی تفاسیر میں اختلاف کم پایا جاتا ہے۔

١٠۔ اجمالی تفسیر

صحابہ کرام نے قرآن حکیم کے اجمالی اور اصولی معانی کے سمجھنے پر اکتفاء کیا جزیاتی اور تفصیلی بحثوں میں اپنے آپ کو نہیں اُلجھایا۔

١١۔ تفسیر علم حدیث کا جزو

عہد صحابہ میں تفسیر علیحدہ علم کی بجائے، حدیث نبوی کا ایک جزو اور اس کی ایک فرع کی حیثیت رکھتی تھی۔

١٢۔ ترتیبِ تلاوت کا لحاظ

صحابہ کرامؓ کی جانب سے منقولہ روایات تفسیر، قرآن کریم کے ترتیب نزول یا ترتیب تلاوت کے مطابق مرتب نہ تھیں بلکہ ان سے مروی احادیث میں منتشر اور بکھری ہوئی تھیں۔

١٣۔ نادر استنباطات فقہیہ

صحابہ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ نے جو قوۃ فہم و ادراک عطا فرمایا تھا، اس کی وجہ سے آیات قرآنیہ سے نادر و نابغہ عصر استنباطات فقیہ صحابہ سے منقول ہیں۔ اس سلسلہ میں عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر اور ابی بن کعب کے اسماء گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

١٤۔ کلامی مباحث

تفسیر میں فلسفیانہ موشگافیوں کے نہ ہونے کی وجہ سے کلامی مباحث صحابہ

کے عہد میں نہیں ملتے۔

عہد صحابہ کے یہ چند تفسیری امتیازات ہیں جو تفسیر کی آئندہ تاریخ اور اس کے ارتقاء میں اہم ترین بنیاد و اساس اور عظیم ترین سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ صحابہ کرام نے فہم و تفسیر قرآن کریم میں کن کن ماخذ کو بنیاد بنایا اور کن اصولوں پر عمارت تفسیر کی بنا رکھی، اس پر اب بحث کی جائے گی۔ ان ماخذ کی ترتیب ان کی اہمیت کے لحاظ سے ہوگی یعنی سب سے پہلے جس ماخذ کو ذکر کیا جائے گا وہ سب سے اہم ماخذ ہوگا اور سب سے آخر میں جو مذکور ہوگا وہ سب سے کم اہم ہوگا۔

عہد صحابہ......تفسیری ماخذ

قرآن کریم نبی کریمؐ پر تیئس برس کی مدت میں نازل ہوا۔ اس نزول کی ابتداء غار حراء (مکہ مکرمہ سے قریب) اس وقت ہوئی جب آپ کی عمر کے چالیس سال مکمل ہو چکے تھے۔ قرآن کریم کے نزول کی ابتداء آفتاب رسالت کا طلوع ہونا تھا اور جس طرح ہر آفتاب سے پہلے آثار نور و نہار نمودار ہوتے ہیں، جن کو صبح صادق کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے، اسی طرح آفتاب رسالت کے انوار و برکات سے پہلے صبح صادق کا نور پھیلنا شروع ہوا جسے حضرت عائشہؓ دو کیفیات سے تعبیر کرتی ہیں۔

الف)

"اول ما بدئی به رسول اللہﷺ من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم فکان لا یری رؤیا الا جاء ت مثل فلق الصبح"

(نبی کریمﷺ پر وحی کا آغاز سب سے پہلے اس بات سے ہوا کہ آپ کو نیند میں سچے خواب دکھائی دینے لگے اور جو خواب رات کو آپ کو دکھایا جاتا وہ صبح صادق کی طرح حقیقت میں بھی نمودار ہو جاتا)

ب)

"ثم حبب اليه الخلاء فكان ياتی حراءً فيتحنث
فيه الليالی ذوات العدد" (۱۱۳)
(پھر آپ کے لیے تنہائی کو پسندیدہ بنا دیا گیا اور آپ غار حرا میں
چلے جاتے اور وہاں متعدد راتیں عبادت کرتے)

یہ ان دو آثار کی تعبیر ہے جو آفتاب رسالت کے طلوع ہونے سے قبل صبح صادق کی طرح نمودار ہونے لگے اور جس طرح نبوت و رسالت ایک عطاء ربانی ہے جس کے حصول کے لیے انسانی محنت، کسب و اکتساب اور اس کی جانفشانی کو دخل نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے اُس شخص کو منتخب کر لیا جاتا ہے اور پھر اس کی کفر و شرک اور معصیت و نافرمانی سے حفاظت کی جاتی ہے اور اس قسم کے آثار ظاہر ہوتے ہیں کہ جن میں نبی کے اپنے ارادہ یا فعل کو کوئی دخل نہیں ہوتا مثلاً سچے خوابوں کا دکھائی دینا انسانی ارادہ یا اس کی کوشش پر منحصر نہیں اسی طرح کفر و شرک جس معاشرہ میں پھیلے ہوئے تھے، اس معاشرہ سے ایک خدا داد نفرت دل میں پیدا ہوئی اور اسی لیے خلوت کی چاہت و محبت کو مجہول کے صیغہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اس خلوت گزینی کا بظاہر کوئی محرک نظر نہیں آتا تھا۔ اسی دور خلوت میں ایک رات جبرئیل اللہ کی پہلی وحی لے کر نازل ہوئے اور "اقرأ باسم ربک الذی خلق" (۱۱٤)

سے پیغام ربانی کے نزول کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ نزول قرآن کریم کا یہ سلسلہ قبل از ہجرت اور پھر بعد از ہجرت بھی جاری رہا حتیٰ کہ آپ کی وفات سے ۸۱ دن قبل آپ پر آخری آیت نازل ہوئی:

"یا ایها الذین آمنوا اتقوا الله و ذروا ما بقی من
الربوا" (۱۱۵)

قرآن کریم ایک مکمل نظام زندگی لے کر آیا تھا لہذا لوگ اس میں ابتداء فرداً فرداً پھر جوق در جوق اور فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ اس قرآن کریم کے

طریقہ تلاوت، اس کے معانی و مفاہیم اور اس کی مُراد پر غور و فکر کرنے لگے اور نبی کریم ﷺ سے اس سلسلہ میں استفادہ کرنے لگے۔ نبی کریمؐ کی تربیت، مضامین قرآن حکیم کی جامعیت صحابہ کرام کی لگن و محبت اس قدر تھی کہ قرآن حکیم نے بارہا ان کے اس شوق کا بیان اس طرح کیا کہ متعدد مقامات پر یسئلونک (۱۱۶) کا عنوان اختیار کیا گیا کہ آپ سے صحابہ فلاں چیز کے بارہ میں دریافت کریں گے اور یہ سلسلہ آپ کی حیوۃ مبارکہ کے اخیر تک قائم رہے گا۔ چنانچہ صحابہ کرام قرآن کریم کے مخاطبین، اس کو سننے والوں، اس کو سمجھنے والوں اور اس کو عملی زندگی میں متشکل کرنے والوں میں اولین جماعت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن صحابہ کرامؓ کو علم تفسیر میں نمایاں مقام حاصل تھا، ان کا ذکر گزشتہ اوراق میں کیا جا چکا اب بحث طلب بات یہ ہے کہ صحابہ کرام کے تفسیری ماخذ کیا تھا؟ وہ کون سے سرچشمے تھے جن سے صحابہ کرام نے قرآن کو سمجھا، اسے بیان کیا اور اس پر عمل کر کے دکھایا؟ فہم قرآن کریم میں صحابہ نے بنیادی طور پر چار ماخذ سے استفادہ کیا۔

۱) قرآن کریم

۲) نبی کریم ﷺ

۳) اجتہاد و قوت استنباط

۴) اہل کتاب (یہود و نصاری کی روایات)

قرآن کریم:

قرآن حکیم پر غور و خوض کرنے والوں پر یہ بات عیاں ہے کہ قرآن کریم حقائق و مجازات، استعارات، وتشبیہات، ایجاز و اطناب، اجمال و تفصیل، اطلاق و تقیید، عموم و خصوص، سے معمور ہے۔ ایک مقام پر ایک بات کو اس طرح کہا گیا گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا۔ اور پھر کسی دوسرے مقام پر اسی کوزہ کو دریا بلکہ سمندر میں تبدیل کر دیا گیا۔ اسی طرح ایک مقام پر ایک حکم کو عام طور پر بیان کیا گیا اور

دوسرے مقام پر اس میں کچھ تخصیصات بھی کر دی گئیں۔ چنانچہ قرآن حکیم کے مقامات بھی ایک دوسرے کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی مفسر کے لیے کسی آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لازم ہے کہ وہ اس مضمون، مفہوم اور معنی کی دیگر آیات کی بھی خبر رکھتا ہو اور پھر ان تمام آیات کے مجموعہ سے جو حکم ماخوذ ہو اسی کو بیان کر رہا ہو۔ جس طرح کسی بھی جملہ کو سیاق و سباق سے نکال دیا جائے تو اس کا مفہوم بدل جاتا ہے اسی طرح اگر قرآن کریم کی کسی ایک آیت کو لے کر اور اس مضمون کو دوسری آیات سے صرف نظر کر لی جائے تو اس کا مفہوم بدل سکتا ہے۔ اور جب قرآن کریم کی ایک آیت کی توضیح دوسری کوئی آیت کر رہی ہو، ایسے موقع پر ثانی الذکر آیت سے اعراض کسی طور پر بھی جائز نہ ہوگا اور اس طرح جو تشریح ہوگی یا جو مفہوم متعین ہوگا، اگر وہ دوسری آیت سے ماخوذ مفہوم سے مختلف ہے تو قابل قبول نہیں کیونکہ متکلم اپنے کلام کی خود وضاحت کر رہا ہو تو دوسری توضیحات ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہیں۔ ایسے متعدد مقامات ہیں جہاں قرآن کریم نے ایک ہی مضمون کو کسی مقام پر اختصار کے ساتھ اور دوسرے مقام پر تفصیل کے ساتھ، ایک مقام پر اجمال کے ساتھ اور دوسرے مقام پر وضاحت کے ساتھ، ایک مقام پر اطلاق یا عموم کے ساتھ اور دوسرے مقام پر تقیید یا تخصیص کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (۱۱۷)

اسی طرح تلاوتوں کا اختلاف اور کتابت کا فرق بھی بعض توضیحات کے لیے ممد و معاون ہوتا ہے۔ (۱۱۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن حکیم کے بعض مقامات کی توضیح وتفسیر دوسرے مقامات سے ہو جاتی ہے۔ اور قرآن کریم اپنی توضیح وتفسیر میں یکتا و بے مثال ہے اس کے مضامین کی جامعیت میں کوئی کلام ہے نہ اس کے حسن بیان میں اور نہ ہی کسی مضمون کی توضیح و تفسیر میں کوئی شبہ کیا جاسکتا ہی۔ بایں ہمہ

(الف) اس بنیاد پر تمام قرآن کریم کو سمجھنا ممکن نہیں ہے ایسے مقامات

قرآن کریم میں چند ہی ہیں کہ جس میں قرآن اپنی ہی وضاحت وتفسیر کر رہا ہو۔ لہذا قرآن کریم کی مکمل تفسیر وتوضیح اور اس کی کامل عملی شکل کو سمجھنے کے لیے انسان نبی کریمؐ کا، آپ کے اقوال کا اور آپ کے افعال کا محتاج ہے۔ آپ کی سنت اور طریقہ کو بنیاد و اساس بنائے بغیر کوئی شخص قرآن حکیم پر کامل دسترس نہیں رکھ سکتا۔

(ب) اگر یہ بات مان لی جائے کہ قرآن کریم نے ایسے تمام مقامات کی وضاحت وتفسیر قرآن ہی میں کر دی ہے جسے جہاں کوئی اطناب یا اجمال تھا تو اس بات کو معلوم کرنے کے لیے بھی نبی کریم کے ہی اقوال کا سہارا لینا پڑے گا کہ فلاں اجمال کی تفصیل قرآن میں کس مقام پر ہے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کو بھی جب کبھی قرآن کریم کی تفسیر میں کوئی ایسا اشکال پیش آتا کہ جس کا قرآن کریم میں کوئی حل نظر نہیں آتا تو وہ نبی کریمؐ سے رجوع کرتے اور نبی کریمؐ صحابہ کے سامنے اس کی تفسیر بیان کرتے کہ بجوائے ارشاد الہی۔

"و انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون"(۱۱۹)
(ہم نے آپ پر یہ کتاب نصیحت اسی لیے اُتاری ہے کہ آپ اسے لوگوں کے سامنے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیں)

یہ بیان آپ کا وظیفہ نبوت و رسالت ہے۔ چنانچہ ائمہ صحاح ستہ نے اپنی کتب میں ابواب تفسیر قائم کیے ہیں اور تفسیری روایات کو جمع کیا ہے۔ آپ صحابہؓ کی راہنمائی کرتے کہ کسی اجمال کی تفصیل قرآن کریم میں کس مقام پر ہے۔

اجتہاد و قوت استنباط

قرآن کریم میں بعض ایسے مقامات بھی ہیں جن کی توضیح وتشریح خود قرآن کریم نے کی اور نہ ہی نبی کریمؐ کے اقوال و افعال سے اس کی کوئی قطعی توضیح و تفسیر دستیاب ہوئی، ایسے مواقع پر صحابہ کرامؓ نے اپنے اجتہاد اور اپنی قوت استنباط کے ذریعہ مراد قرآنی کو پایا اور اس کو بیان کیا۔ ان کا یہ اجتہاد مراد قرآنی کے وسیع تر

تصور، کلام عرب، لغت عربی اور اس کی اشتقاقات پر گہری دسترس اور دین اسلام کے مجموعی طرز زندگی کو مدنظر رکھ کر ہوتا تھا۔ صحابہ کرام اس اجتہاد میں جن حقائق کو اپنے اجتہاد کی بنیاد و اساس بناتے تھے، ان کو حسب ذیل انواع میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(الف) کلام عربی کے محاورات، ان کی ادبی اصطلاحات، لغوی اشتقاقات، اس تغیر وتبدل کی وجہ سے ہونے والی معنوی تبدیلیاں فہم قرآن کریم میں سب سے پہلی اساس و بنیاد ہیں۔ ان چیزوں پر کامل دسترس رکھے بغیر کوئی شخص قرآن حکیم کی ایک آیت کے ظاہری مفہوم کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔ معنی کا ادراک، کسی قسم کا اجتہاد یا کسی مسئلہ کا استنباط تو بعید تر چیز ہے۔

(ب) عرب کی عادات قرآن حکیم عربوں میں نازل ہوا، اس کے سب سے پہلے مخاطب عرب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ احکام قرآنی میں عرب تہذیب و ثقافت اور ان کی عادات کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اور ان کو سمجھنے کے لیے عرب کی عادتوں، ان کی تہذیب و ثقافت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ مثلاً آیت۔

"لیس البربان تاتوا البیوت من ظهورها" (۱۲۰)
(نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے گھروں کو پشت کی جانب سے آؤ)

آیت مبارکہ میں کوئی ایسا لغت نہیں جس کے فہم میں کوئی مشکل یا دقت پیش آرہی ہو لیکن اس کے باوجود آیت مبارکہ اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک کہ قرآن حکیم سے استفادہ کرنے والا یہ نہ جان لے کہ عرب کی عادت یہ تھی کہ دوران حج اپنے گھر میں آمد و رفت کے لیے معمول کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے پشت کی جانب سے دیوار پھاند کر گھر میں جاتے اور فلسفہ یہ تھا کہ جس دروازہ کو سارے سال گناہ کی حالت میں آمد و رفت کے لیے استعمال کرتے ہیں حج کے دوران اسے استعمال نہ کریں۔ جب تک عرب کی اس عادت کا علم نہ ہو، قرآن حکیم کی اس آیت کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا جا سکتا۔

(ج) اسباب نزول۔ کسی بھی آیت کا سبب نزول جسے شان نزول کہا جاتا ہے، آیت کے معانی سمجھنے میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ واحدی کے بقول تفسیر آیت کی معرفت، بغیر شان نزول معلوم کیے ممکن نہیں۔ (۱۲۱)

ابن دقیق العید کے خیال میں آیت کے معنی سمجھنے میں شان نزول ایک مضبوط راستہ ہے۔ (۱۲۲)

جب کہ ابن تیمیہ کے نزدیک شان نزول کا علم معنی کو سمجھنے میں معین و مدد گار ہوتا ہے۔ (۱۲۳) گویا اس ضمن میں واحدی نے شان نزول کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے کہ اس کی معرفت کے بغیر آیت کے معنی سمجھنا ممکن نہیں جب کہ ابن تیمیہ جو آیت کے ظاہری معنی پر عمل کرتے ہیں، شان نزول کو سب سے کم اہمیت دیتے ہیں لیکن وہ بھی معنی کے سمجھنے کے لیے اسے معاون ضرور خیال کرتے ہیں۔

(د) قوت فہم و ادراک۔ کسی آیت سے کسی مسئلہ کو مستنبط کرنے یا اس کے معنی سمجھنے میں قوت فہم و ادراک کی وسعت ایک بڑی بنیاد و اساس کا درجہ رکھتی ہے۔ کیونکہ بہت سی آیات ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے معنی میں بہت زیادہ گہرائی اور مراد میں بہت زیادہ اخفا ہوتا ہے۔ ایسے معنی اور ایسی مراد صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک زبردست قوۃ فہم و ادراک سے نوازا ہو اور اس کا قلب نور بصیرت سے منور ہو۔ اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی شخصیت اعلیٰ ترین مثال سمجھی جاسکتی ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی دعا کی برکت سے (۱۲٤) یہ نور بصیرت عطا فرمایا تھا۔

اس مرحلہ پر احمد امین مصری کے ایک شبہ کو بھی دور کرنا ضروری ہے جو انہیں امام احمد بن حنبل کے ایک جملہ سے ہوا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا۔

"ثلاثة ليس لها اصل التفسير والملاحم و المغازي" (۱۲۵)

(تین موضوعات ایسے ہیں کہ جن میں بیان کردہ روایات کی کوئی

اصل نہیں، تفسیر، فتن و علامات قیامت اور مغازی)

امام احمد کے اس جملہ کو بنیاد بنا کر احمد امین نے تمام تفسیری روایات کا انکار کیا ہے۔ (۱۲۶)

دراصل امام احمد کی یہ مراد نہیں جو کہ احمد امین نے کہی ہے بلکہ ان تین موضوعات پر کثرت سے ایسی روایات موجود ہیں جو مستند نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ امام احمد نے روایات صحیحہ، مرفوعہ کا انکار کیا ہوگا کیونکہ خود احمد بن حنبل نے متعدد مقامات پر تفسیر، فتن اور مغازی کے مضامین پر مشتمل روایات نقل کی ہیں اور ان سے استدلال بھی کیا ہے۔ (۱۲۷)

ائمہ اسماء الرجال نے جرح و تعدیل کے ذریعہ غیر مستند روایات اور ایسے رواۃ کو واضح کر دیا ہے کہ جو غیر مستند روایات نقل کرتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ قرآن حکیم کو سمجھنے کے لیے براہ راست نبی کریمؐ سے بھی رجوع کرتے اور ایک دوسرے سے بھی سوالات و استفسارات کرتے مزید یہ کہ اگر کوئی صحابی مدینہ سے باہر حالت سفر وغیرہ میں کسی آیت کو سمجھنے یا اس پر عمل کرنے کے لیے کوئی اجتہاد کرتے تو اس کا ذکر نبی کریمؐ سے کرتے آپ اس کی تائید یا اصلاح فرما دیتے اور پھر صحابہ کا یہ اجتہاد سنت کی ایک قسم یعنی تقریر میں داخل ہو جاتا۔ (۱۲۸)

اہل کتاب

قرآن حکیم میں انبیاء سابقین کے واقعات کثرت سے موجود ہیں۔ ان واقعات کے اکثر اجزاء تو قرآن حکیم ہی میں منقول ہیں، کچھ چیزیں صحابہ کرام اہل کتاب کے علماء سے حاصل کرتے۔ اس سلسلہ میں چند اصولوں کو مدنظر رکھا جاتا تھا۔

(الف) قرآن حکیم میں واقعات میں سے صرف ان اجزاء کو ذکر کیا ہے جن سے عبرت اور سبق کا پہلو نکلتا ہے جب کہ صحابہ میں تحقیق و جستجو بہت زیادہ تھی اس لیے واقعہ کی مکمل تفصیلات حاصل کرنے کے لیے وہ اہل کتاب کے علماء سے

رجوع کرتے۔

(ب) صرف وہی امور دریافت کیے جاتے جو قرآن کریم میں مذکور ہوئے نہ ہی نبی کریمؐ انہیں بیان کرتے۔ جو چیز نبی کریمؐ بیان کر دیتے، اس کے متعلق اہل کتاب سے استفسار نہ کیا جاتا۔

(ج) صرف ان اہل کتاب سے کسب فیض کیا جاتا تھا جو مسلمان ہو چکے تھے، مثلاً عبداللہ بن سلام، کعب احبار وغیرہ۔

(د) نبی کریم ﷺ کے فرمان " حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج" (۱۲۹) کی روشنی میں صرف ایسے امور نقل کیے جاتے جو دین اسلام کے اصول و کلیات سے متصادم نہ ہوں جو چیزیں اصول دین کے خلاف ہوتیں، انہیں ترک کر دیا جاتا۔ اور اس مین بھی نبی کریم ﷺ کے فرمان "لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم" (۱۳۰) پر عمل کیا جاتا۔ اس طرح فہم قرآنی کے لیے یہ ماخذ آخری درجہ کا ماخذ شمار کیا جاتا تھا۔ (۱۳۱)

حواشی

۱۔ ۲ : البقرہ : ۱۲۹
۲۔ حوالہ بالا
۳۔ ۳ : آل عمران : ۱٦٤
٤۔ بخاری، محمد بن اسمعیل، الجامع الصحیح، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ج ٥: ص ٥، باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلاً
٥۔ ایضاً ص ٦
٦۔ ابن سعد، محمد۔ الطبقات الکبری، بیروت، دار اصادر، ج۳: ص ۱٦۹
۷۔ احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، بیروت، دار القلم، ۱۹۷۸، ج۱:ص۳
۸۔ بخاری، کتاب مذکور، ج۲: ص ۱٤٤ تا ۱٤۷ ۔ باب العرض فی الزکوۃ تا باب لاتؤخذ صدقہ، کتاب الزکٰوۃ۔
۹۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن، الاتقان فی علوم القرآن، لاہور، سہیل اکیڈمی، ۱۹۸٤ء: ص ۱۸۷
۱۰۔ احمد بن حنبل، کتاب مذکور، ج۱ : ص۲
۱۱۔ ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ۔ ج٤ : ص ٥۳
۱۲۔ ابن حجر، علی بن سلطان العسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، بیروت، دار احیاء، ۱۳۲۸ھ، ج۲:ص٥۱۸۔
۱۳۔ ابن حجر، الاصابہ (٥۷۳٦) ج۲ : ٥۱۷
۱٤۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، کتاب الجامع، ملتان، نشر السنہ، ج٤ :

ص ۳۱۴ باب مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب

۱۵۔ ۵۷ : الحدید : ۷

۱۶۔ ابن حجر، الاصابہ (۵۷۳۲) ج ۲ :ص ۵۱۸

۱۷۔ ابن اثیر، اسد الغابہ، ج ۴ : ص ۵۳

۱۸۔ بخاری، الجامع الصحیح، (۳۴۸۳) ج ۳ : ص ۳۴۸، باب مناقب عمر (۶) کتاب فضائل الصحابہ۔

۱۹۔ ایضاً (۳۴۷۷) ص ۱۳۴۶

۲۰۔ بخاری، حوالہ مذکور

۲۱۔ ایضاً (۴۶۸۶) ج ۴: ص ۱۹۰۱، باب قولہ فسبح بحمد ربک ......الخ (۴۶۵)، کتاب التفسیر

۲۲۔ ترمذی، کتاب الجامع، ج۴:ص۳۶۸، باب فضل ابی بن کعب، کتاب المناقب

۲۳۔ ابن سعد، الطبقات، ج ۳: ص ۵۵۰

۲۴۔ حوالہ مذکور

۲۵۔ ابن اثیر، اسد الغابہ، ج۱: ص ۴۹، ۵۰

ابن سعد، کتاب و جلد مذکور، ص ۴۹۸، ۵۰۲

ابن حجر، الاصابہ، ج۱: ص ۱۹، ۲۰

۲۶۔ حنبلی، ابوالفلاح عبدالحئی بن عماد، شذرات الذھب فی اخبار من ذھب، بیروت، دارالمسیرۃ، ۱۹۷۹، ص۱: ص ۳۱

۲۷۔ سیوطی، الاتقاق، ج۲:ص۱۸۹

۲۸۔ احمد بن حنبل، مسند، ج۵: ص۱۱۳ تا ۱۱۴

۲۹۔ حاکم، المستدرک علی الصحیین، حیدر آباد دکن، دائرۃ معارف ۱۳۴۱ھ ج۲: ص۲۷۶

تفسیر، آیت الحج اشھر معلومات، کتاب التفسیر

۳۰۔ احمد بن حنبل، حوالہ مذکور

۳۱۔ حنبلی، شذرات، ج۱:ص۳۹

ذہبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد عثمان، العبر فی خبر من غبر، بیروت، دارالکتب، ج۱: ص ۲۴ سیر اعلام النبلاء

۳۲۔ ذہبی، ابو عبداللہ، تذکرۃ الحفاظ۔ بیروت، دارالفکر، ج۱: ص ۲۴، ۲۵

۳۳۔ ایضاً ج۱: ص ۱۷، ۱۸

ابن سعد، الطبقات، ج۴: ص ۲۱۹ تا ۳۷

۳۴۔ ابو نعیم اصبہانی، احمد بن عبداللہ، حلیتہ الاولیاء و طبات الاصفیاء، بیروت، دار الکتب، ۱۹۸۰ ج۱: ص ۱۵۷

۳۵۔ ذہبی، العبر، ج۱ : ص ۲۴

ایضاً سیر اعلام، ج۲: ص۴۶

۳۶۔ بخاری، الجامع الصحیح، (۴۵۲۴) ج۴: ص ۱۸۰۶، باب تفسیر سورۃ یٰسین (۲۸۹)

۳۷۔ ابن اثیر، اسد الغابہ، ج۳: ص ۳۵۶ تا ۶۰

ذہبی، تذکرۃ۔ ج۱: ص ۱۳ تا ۱۶

ابن سعد، الطبقات، ج۳: ص ۱۵۰ تا ۶۱

حنبلی، شذرات، ج۱: ص ۳۸، ۳۹

ذہبی، العبر، ج ۱ : ص ۲۴

سیر اعلام، ج ۱ : ص ۴۶۱

۳۸۔ خطیب بغدادی، ابوبکر احمد بن علی، تاریخ بغداد، (۵) ج۱: ص ۱۴۷

۳۹۔ سیوطی، الاتقان، ج۲ : ص ۱۸۷

۴۰۔ ذہبی، التفسیر والمفسرون، ج۱ : ص ۸۶، ۸۷

۴۱۔ ابن حجر، الاصابہ، ج ۲ : ص ۴۶۲

۴۲۔ حوالہ مذکور

۴۳۔ ترمذی، کتاب الجامع، ج ۴: ص ۳۱۹ باب مناقب عثمانؓ

۴۴۔ ابن ہشام، ابو محمد عبدالملک، السیرۃ النبویہ، بیروت، دار احیاء،

ج ۳ : ص ۳۳۰

۴۵۔ احمد بن حنبل، مسند (۳۹۹) ج۱: ص ۳۲۹، احمد محمد شاکر کی تحقیق کے مطابق اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔

۴۶۔ ابن حجر، الاصابہ، ج ۲ : ص ۵۷

۴۷۔ بخاری، الجامع الصحیح (۳۴۹۷)، ج۳ : ص ۱۳۵۵، باب مناقب عثمان (۸) کتاب فضائل الصحابہ۔

۴۸۔ ابوداؤد، کتاب السنن، بیروت، دار الفکر، ج ۳ : ص ۳۰۱، باب کیف القضاء، کتاب الاقضیہ

ترمذی، کتاب الجامع، ج ۱ : ۲۴۰، باب فی القاضی لا یقضی بین الخصمین حتی یسمع کلامھما، ابواب الاحکام۔

۴۹۔ ابونعیم، حلیۃ الاولیاء (۴)، ج۱ : ص ۶۲

۵۰۔ ابن اثیر، اسد الغابہ، ج ۲ : ص ۲۲۲

۵۱۔ ابن حجر، الاصابہ (۲۸۸۰) ج ۱ : ص ۵۶۱

۵۲۔ جزری، محمد بن محمد، غایۃ النھایہ فی طبقات القراء، (۱۳۰۵) ج ۱ : ۲۹۶

۵۳۔ ابن حجر، حوالہ مذکور

۵۴۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (۱۵ ۔ ۱/۱۵) ج ۱ : ص ۳۲

۵۵۔ حنبلی، شذرات، ج۱ : ص ۵۴

ذہبی، العبر، ج ۱ : ص ۳۸

۵۶۔ ابن حجر، الاصابہ (۶۰۱۰) ج ۳ : ص ۲۶، ۲۷

ابن اثیر، اسد الغابہ، ج ۴ : ۱۳۷، ۳۸

ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، (۱۴۔۱/۱۴) ج۱ : ص ۲۹

۵۷۔ بخاری، الجامع الصحیح (۴۲۶۴) ج ۴ : ص ۱۶۲، باب فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج

۵۸۔ ابن سعد، الطبقات، ج ۳ : ص ۱۳۷

۵۹۔ ایضاً ص ۱۳۹

۶۰۔ ذهبی، تذکرة الحفاظ (۹ ۱/۹) ج۱ : ص ۲۲
۶۱۔ ابن سعد، کتاب وجلد مذکور، ص ۱۴۰
۶۲۔ ایضاً ج ۳ : ص ۱۴۹
ذهبی، تذکرة الحفاظ، ج ۱ : ص ۲۳
۶۳۔ ذهبی، کتاب و جلد مذکور، ص ۲۲
۶۴۔ ابن حجر، تهذیب التهذیب (۹۰۱) ج ۳ : ص ۸۴،۴۸۳
۶۵۔ ۱۸ : الکهف : ۱۰۳
۶۶۔ بخاری، الجامع الصحیح، ج ۲ : ص ۶۹ باب قوله تعالیٰ هل نبئکم۔ کتاب التفسیر
۶۷۔ ابن اثیر، اسد الغابه، ج ۵ : ص ۵۰۲
۶۸۔ ایضاً : ۵۰۴
۶۹۔ ابن حجر، الاصابه (۷۰۴) ج ٤ : ص ۳۵۹
ابن سعد، الطبقات، ج ۸ : ص ۵۸
ذهبی، تزکرة الحفاظ، (۱۳/ ۱/۱۳) ج ۱ : ص ۲۷
حنبلی، شذرات الذهب، ج۱ : ص ۶۱
ذهبی، العبر، ج ۱: ص ٤٤
۷۰۔ امام بخاری نے کتاب التفسیر میں حضرت عائشہؓ کی یه روایات نقل کی هیں۔
۷۱۔ ذهبی، تذکرة الحفاظ (۱۶/ ۱/ ۱۶) ج۱ : ص ۳۳
۷۲۔ حاکم نیشابوری، محمد بن عبدالله، المستدرك ج ۳ ص ۵۱۰، کتاب معرفته الصحابه، امام حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا هے۔
۷۳۔ اشاره هے اس حدیث کی جانب جس میں ابوهریرهؓ کے کسی سوال پر آپؐ نے فرمایا تھا مجھے یقین تھا که تم سے پهلے مجھ سے یه بات کوئی نه پوچھے گا کیونکه میں نے تمهارا شوق حدیث دیکھا هے۔ دیکھئے۔ بخاری، الجامع الصحیح (۹۹)، ج۱ : ص

۴۹۔ باب الحرص علی الحدیث (۳۲) کتاب العلم۔

۷۴۔ ابن حجر، الاصابہ (۱۱۹۰) ج ۴ ص ۲۰۲ تا ۲۱۱

ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (۱۶/۱/۱۶) ج۱ :ص ۳۲ تا ۳۷

۷۵۔ ابن حجر، الاصابہ (۵۶۰۱) ج ۲ : ص۴۸۹

۷۶۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (۲۰/۱/۲۰) ج۱ : ص ۴۲

ابن اثیر، اسد الغابہ، ج ۳ : ص ۴۱۲، ۱۳

۷۷۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (۱۹/۱/۱۹) ج۱ : ص ۴۲

۷۸۔ ابن اثیر، اسد الغابہ، ج۳ : ص ۲۲۳

۷۹۔ احمد بن حنبل، مسند، ج ۲ : ص ۱۵۲، تا ۲۲۶

۸۰۔ حاکم، المستدرک، ج۳ : ص ۵۱۰ کتاب معرفتہ الصحابہ

۸۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، ج ۱ ص: ۳۹ باب کتابتہ العلم، کتاب العلم

۸۲۔ ذہبی، حوالہ مذکور

ابن حجر، الاصابہ، ج۱ : ص ۳۴۲

۸۳۔ جزری، غایۃ النہایہ (۱۸۳۵)، ج۱ : ص ۴۳۹

۸۴۔ بخاری، الجامع الصحیح (۷۵)، ج۱ : ص ۱۷، باب قول النبی ﷺ الهم علمه الکتاب، (۴۱) کتاب العلم۔

۸۵۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ج۵ : ص ۲۳۹

۸۶۔ ابن حجر، الاصابہ (۴۷۸۱) ج۲ : ص ۳۴۰

ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (۱۸/۱/۱۸) ج۱ : ص ۴۰؛ ابن اثیر، اسد الغابہ،

ج ۳ : ص ۱۹۲

حنبلی، شذرات الذہب، ج۱ : ص ۷۵

ذہبی، العبر، ج۱ : ص ۵۶

۸۷۔ جزری، غایۃ النہایہ، (۱۷۹۱) ج۱ : ص ۴۲۶

۸۸۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد (۱۴) ج۱ : ص ۱۲۳

۸۹۔ ابن جریر الطبری، جامع البیان، ج ۲۰ : ۴۳
۹۰۔ ابن حجر، الاصابه (۴۶۸۱) ج۲ : ص ۳۰۸
۹۱۔ ابن اثیر، اسد الغابه، ج ۳ : ص ۱۶۱
۹۲۔ ایضاً ص ۱۶۲
۹۳۔ ابن حجر، کتاب و جلد مذکور ص ۳۱۱
۹۴۔ ابن اثیر، حواله مذکور
۹۵۔ ابن اثیر، اسد الغابه، ج ۵ : ص ۲۱۱
۹۶۔ ذهبی، تذکر الحفاظ، (۲۲/ ۱/ ۲۲) ج۱ : ص ۴۴
۹۷۔ حواله مذکور
۹۸۔ ابن حجر، الاصابه (۳۱۹۶) ج۲ : ص ۳۴، ۳۵
۹۹۔ ابن اثیر، اسد الغابه ج۳ : ص ۲۲۷
ابن سعد، الطبقات، ج ۴ : ص ۱۴۳
۱۰۰۔ حواله مذکور
۱۰۱۔ مسلم بن الحجاج، القشیری، الجامع الصحیح، بیروت، دار المعرفه،
ج ۲ : ص ۳۲
۱۰۲۔ ابن اثیر، اسد الغابه، ج ۳ : ص ۲۳۰
ابن حجر، الاصابه (۴۸۳۴) ج۲ : ص ۳۴۷
ذهبی، تذکرة الحفاظ ، (۱۷۔ ۱/ ۱۷) ج۱ : ص ۳۷
حنبلی، شذرات الذهب، ج۱ : ص ۸۱
۱۰۳۔ جزری، غایته النهایه (۱۸۲۷) ج۱ : ص ۴۳۷
۱۰۴۔ ذهبی، تذکرة الحفاظ (۲۳۔ ۱/۲۳) ج۱ : ص ۴۵
ابن حجر، الاصابه (۲۷۷) ج۱ : ص ۷۱، ۷۲
۱۰۵۔ بخاری، الجامع الصحیح، (۴۶۵۸) ج۴ : ص ۱۸۸۸، باب تفسر سورة والشمس (۴۳۰) کتاب التفسیر
۱۰۶۔ ایضاً (۴۲۰۸) ج۴ : ص ۱۶۲۷، باب و ظللنا علیهم الغمام (۷)

كتاب التفسير

۱۰۷۔ ایضاً (٤٣٩٧) ج٤ : ١٧١٧، باب و آخرون اعترفوا بذنوبهم (١٦٤) كتاب التفسير

۱۰۸۔ ایضاً (٤٢٤٠) ج ٤ : ص ١٦٤٠، باب كلوا واشربوا حتى (٣٠) كتاب التفسير

۱۰۹۔ ایضاً (٤٣٨٥) ج ٤ : ص ١٧١٢، باب ان عدة الشهور عندالله (١٥٦) كتاب التفسير

۱۱۰۔ مسلم، الجامع الصحيح، (٣٠٢٣ ـ ٣٠٢٥) ج ٤ : ص ٢٣١٧، كتاب التفسير

۱۱۱۔ علامه سیوطی نے طبقات المفسرین میں اور علامه جزری غایته النهایه میں قراء صحابه کی فهرست دی هے۔

۱۱۲۔ اس سلسله میں ذهبی کے ایك نقطه نظر کی وضاحت ضروری هے۔

صحابه و تابعین کے تفسیری رجحانات میں اختلاف کی وضاحت کرتے هوئے ذهبی لکھتے هیں۔

"صحابه صرف لغت عربی کی روشنی میں قرآن کریم کی تفسیر کرتے تھے، اسباب نزول کا علم نه رکھتے تھے"

دیکھئے، ذهبی، التفسیر والمفسرون ج۱ : ص ۱۳۲

صحابه کے هاں اسباب نزول ایك مصدر کی حیثیت رکھتے تھے، اس کی اهمیت بھی تھی اور قرآن فهمی میں ان کو بنیاد و اساس کا درجه بھی دیا جاتا تھا۔

۱۱۳۔ بخاری، الجامع الصحیح، ج۱ : ص باب كيف كان بدء الوحي

۱۱٤۔ ٩٦ : العلق : ١

۱۱۵۔ ٢ : البقرة : ٢٨٧

۱۱٦۔ قرآن کریم میں یسئلونك کا لفظ متعدد مرتبه آیا هے۔

۱۱۷۔ ذهبی، التفسیر والمفسرون، ج۱ : ص ۳۸، ۳۹

۱۱۸۔ ایضاً ص ۴۰، ۴۴

۱۱۹۔ ۱۶ : النحل : ۴۴

۱۲۰۔ ۲ : البقرۃ : ۱۸۹

۱۲۱۔ واحدی، ابوالحسن علی بن احمد نیشابوری، اسباب النزول، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ص ۵

۱۲۲۔ سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، ج۱ : ص ۲۸

۱۲۳۔ حوالہ مذکور

۱۲۴۔ حضرت عبداللہ بن عبادہ کے لیے نبی کریم ﷺ کی دعا کی تفصیل گذشتہ اوراق میں گزرچ کی ھے۔

۱۲۵۔ احمد بن حنبل مسند۔
سیوطی، الاتقان، ج ۲ : ص ۱۷۸

۱۲۶۔ احمد امین مصری، فجر الاسلام : ص ۲۵۴

۱۲۷۔ یہ تفصیل کا موقع نھیں ورنہ ان تمام مواقع کو نقل کیا جاتا جھاں امام نے تفسیری روایات کو نقل بھی کیا ھے اور ان کو اپنے لیے بنیاد استدلال بھی بنایا ھے۔

۱۲۸۔ اس وقت اس بحث کو طوالت کے خوف سے ترک کر دیا کہ نبی کریمؐ نے پورے قرآن کریم کی وضاحت کر دی اور اسے بیان کر دیا یا کچھ حصہ بیان کیا اور باقی صحابہ نے اپنے اجتھاد سے سمجھا۔

۱۲۹۔ بخاری، الجامع، الصحیح (۳۲۷۴) ج۳: ص ۱۲۷۵، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل (۵۱) کتاب الانبیاء۔

۱۳۰۔ ایضاً (۴۲۱۵) ج۴ : ص ۱۶۳۰، باب قولوا آمنا باللہ (۱۳) کتاب التفسیر

۱۳۱۔ ذھبی، التفسیر والمفسرون، ج۱ : ص ۶۱، ۶۲

باب ثانی

عہد تابعین
(٦١ھ تا ١٤٣ھ/ ٦٨٠ء تا ٧٦٠ء)

علقمہ بن قیس النخعی (ابوشبیل الکوفی) م: ۶۱ھ، ۶۲ھ/ ۶۸۰ء، ۶۸۱ء

علقمہ بن قیس بن عبداللہ، ابوشبیل النخعی نبی کریم ﷺ کے زمانہ حیات میں پیدا ہوئے لیکن آپ کی زیارت سے مشرف نہ ہوئے۔ البتہ کبار صحابہ، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، سعد بن ابی وقاص، حذیفہ، ابوالدرداء، ابن مسعود، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی، شرف تلمذ حاصل کیا اور ان حضرات سے روایات نقل کرتے ہیں۔ آپ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن یزید بن قیس، ابراہیم بن یزید، نخعی، ابراہیم بن سوید نخعی، عامر شعبی، ابووائل شقیق بن سلمہ و دیگر تابعین آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ابن حجر کے مطابق اکثر ائمہ رجال کے نزدیک علقمہ ایک ثقہ و صدوق راوی ہیں۔ (۱)

امام ذھبی کے مطابق علقمہ، عبداللہ بن مسعود کے اشرف تلامذہ میں سے ہیں۔ تجوید، تفسیر و علوم قرآنی اور فقہ میں ابن مسعود سے بکثرت استفادہ کیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن یزید ابن مسعود کا قول نقل کرتے ہیں کہ "میں جو کچھ پڑھتا ہوں، جو کچھ جانتا ہوں، وہ سب علقمہ پڑھتے اور جانتے ہیں۔"(۲)

یعنی عبداللہ بن مسعود کے ذخیرہ روایات کو نقل کرنے میں علقمہ سب سے پیش پیش ہیں اور کوئی روایت ابن مسعود کی ایسی نہیں جو علقمہ کے علم میں نہ ہو۔ قابوس بن ظبیان کے مطابق صحابہ کرام آپ سے سوال کرتے اور مسائل دریافت کرتے تھے۔ (۳) امام ذھبی نے تابعین میں سب سے پہلے آپ کا ذکر کیا ہے۔ (۴)

ابن حجر نے آپ کے سال وفات سے متعلق مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ ابونعیم کے مطابق آپ کی وفات ۶۱ھ/ ۶۸۰ء ہے۔ بعض غیر راجح اقوال میں ۶۳، ۶۵، ۷۲ اور ۷۳ بھی نقل کیے گئے ہیں۔ ابن حجر کی عبارت سے ایسا مترشح ہوتا ہے کہ وہ ۶۲ھ کو ترجیح دیتے ہیں۔ (۵)

امام ذھبی اس ضمن میں خاموش ہیں۔ جزری نے آپ کا سال وفات

٦٢ھ بتایا ہے۔ (٦)

حنبلی نے ٦٢ھ کے واقعات میں آپ کی وفات کا ذکر کیا ہے۔ (٧)

مسروق بن الاجدع الھمدانی ابو عائشہ الکوفی ٦٢ھ، ٦٣ھ/ ٦٨١ء، ٦٨٢ء

مسروق کا تعلق قبیلہ ہمدان سے تھا، آپ کے والد اجدع شاعر تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کا نام اجدع سے بدل کر عبدالرحمٰن رکھ دیا تھا، مسروق نے کبار صحابہ، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، معاذ بن جبل، خباب، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، مغیرۃ بن شعبہ، زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو، معقل بن سنان اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایات نقل کی ہیں۔ آپ عبداللہ بن مسعود کے خصوصی تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کا علم وتفقہ، صحابہ کے درمیان بھی مسلم تھا، علم کے ساتھ ساتھ آپ حد درجہ عابد و زاہد تھے۔ آپ رات کو اس قدر عبادت کرتے کہ پاؤں پر ورم آجاتا۔ قبیلہ ہمدان میں اپنی نظیر آپ خود تھے۔ اور بقول شعبی علم کی طلب میں سب سے زیادہ سبقت رکھتے تھے۔ محمد بن منتشر بن اجدع، ابووائل، ابوضحیٰ، شعبی، ابراہیم نخعی، ابواسحٰق السبیعی، یحییٰ بن وثاب، عبدالرحمٰن بن مسعود، ابو الشعثاء المحاربی، عبداللہ بن مرۃ اور مکحول شامی نے آپ سے استفادہ کیا۔ عبداللہ بن مسعود کے سب سے قدیم تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ (٨) ذھبی نے آپ کو کبار تابعین میں شمار کیا ہے۔ (٩)

حنبلی اور ابن سعد کے مطابق ٦٣ھ/٦٨٢ء میں آپ نے وفات پائی۔ (١٠)

عبداللہ بن مسعود کے غلام اور آپ کی روایات خصوصاً علوم قرآنی پر آپ کی روایات نقل کرنے اور امت میں انہیں منتقل کرنے میں مسروق نے حظ وافر پایا ہے۔ (١١)

اسود بن یزید النخعی ابوعبدالرحمٰن الکوفی م ٧٤ھ/ ٦٩٣ء

ابوعبدالرحمٰن، اسود بن یزید النخعی کا شمار حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، حذیفہؓ، بلالؓ، حضرت عائشہؓ، ابو محذورہ، ابو موسیٰ اشعری اور خصوصاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ میں ہوتا ہے۔ آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن بن اسود، آپ کے بھائی عبدالرحمٰن بن یزید، ابراہیم بن یزید النخعی، عمارۃ بن عمیر، ابواسحٰق السبیعی، ابو بردۃ بن ابی موسیٰ، محارب بن دیار، اشعث بن ابی الشعثاء کے علاوہ ایک بڑی جماعت کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ ائمہ اسماء الرجال، احمد بن حنبل، یحیٰ بن معین، ابن سعد، ابن حبان اور ابراہیم نخعی نے آپ کو ثقہ، صالح اور اصحاب فتوی میں شمار کیا ہے۔ ابو اسحٰق نے آپ کا سال وفات ۷۵ھ/۶۹۴ء نقل کیا ہے جب کہ ابن حجر نے ابن ابی شیبہ کی رائے کو ترجیح دی ہے جس کے مطابق آپ کی وفات ۷۴ھ میں ہوئی۔ (۱۲)

حنبلی نے ۷۵ھ کے واقعات میں آپ کی وفات کا ذکر کیا ہے۔ (۱۳)

امام ذھبی نے آپ کی وفات ۷۵ھ میں ہی بتائی ہے۔ ذھبی نے آپ کو مجتہد اور صاحب فقہ شمار کیا ہے۔ (۱٤)

آپ تجوید و قراءت اور علوم قرآنی میں عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد تھے اور اس ضمن میں آپ نے بکثرت استفادہ کیا۔ (۱۵)

مرۃ الطیب بن شراحیل الھمدانی البکیلی ابواسمعیل الکوفی م ۷٦ھ/ ٦۹۵ء

مرۃ بن شراحیل الھمدانی اپنے زہد وتقویٰ اور اپنی ریاضت و عبادت کی وجہ سے مرۃ الخیر اور مرۃ الطیب کے لقب سے معروف تھے۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، ابوذرؓ، حذیفہؓ، ابن مسعودؓ، ابو موسیٰ الاشعری، زید بن ارقمؓ اور علقمہؓ بن قیس جیسے کبار صحابہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اسمعیل بن ابی خالد، اسمعیل السدی، حصین بن عبدالرحمٰن، زبید الیاقی، ابوالسعر سعید بن محمد، صباح بن محمد، طلحہ بن مصرف شعبی، عطاء بن سائب اور دیگر حضرات محدثین ومفسرین نے آپ سے کسب فیض کیا۔ یحیٰ بن معین آپ کو ثقہ شمار کرتے ہیں ابن حبان نے بھی آپ کو ثقہ کہا ہے۔ اور کہا ہے کہ آپ ایک دن رات میں چھ سو رکعتیں نوافل ادا کرتے تھے۔ بعض ائمہ اسماء الرجال کے نزدیک

ابوبکرؓ، وعمرؓ سے آپ کی روایات مرسل ہیں۔(۱۶)

حافظ ذھبی نے آپ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ تفسیر میں گہری دسترس رکھتے تھے۔(۱۷)

ابن حجر کے مطابق آپ کا سال وفات ۷۶ھ/۶۹۵ء ہے۔(۱۸)

جب کہ ذھبی کے مطابق آپ کی وفات ۹۰ھ/۷۰۸ء کے لگ بھگ ہوئی ہے۔(۱۹)

ابن سعد آپ کے سنہ وفات سے خاموش ہیں۔(۲۰)

محمد حسین ذھبی اور داؤدی نے آپ کا سال وفات ۷۶ھ بتایا ہے اور آپ کو کوفہ کے کبار مفسرین میں شمار کیا ہے۔(۲۱)

شریح بن الحارث ابو امیہ الکوفی ۷۸ھ/۶۹۷ء

شریح بن الحارث کو شریح بن شراحیل اور شریح بن شرحبیل بھی کہا جاتا ہے۔ ابن معین کے مطابق آپ نبی کریم ﷺ کے زمانہ حیات میں موجود تھے لیکن آپ سے سماع و ملاقات ثابت نہیں۔ آپ نے نبی کریمؐ سے مرسلاً عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عروۃ البارقی اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے متصلاً روایات نقل کی ہیں۔ ابووائل، شعبی، قیس بن حازم، ابن سیرین، عبدالعزیز بن رفیع، ابن ابی صفیہ، مجاہد بن جبیر، عطاء بن السائب، انس بن سیرین اور ابراہیم النخعی جیسے کبار تابعین نے آپ سے استفادہ کیا۔ حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں آپ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ آپ ساٹھ سال اس منصب جلیلہ پر فائز رہے۔ حجاج کے زمانہ امارت میں آپ نے استعفیٰ دیا۔

قاضی شریح کی وفات کے متعلق متعدد اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ ابن حجر نے ان تمام اقوال کو نقل کی اہے اور ابو نعیم کی اس رائے کو کہ آپ کی وفات ۷۸ھ/۶۹۷ء میں ہوئی کہ ترجیح دی ہے۔ ابن سعد نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔(۲۲)

ذھبی نے بھی ۷۸ھ آپ کا سال وفات نقل کیا ہے۔ (۲۳)

جبیر بن نفیر بن مالک ابو عبدالرحمٰن الشامی الحمصی ۸۰ھ/۶۹۹ء

جبیر بن نفیر کبار تابعین میں شمار ہوتے ہیں آپ نے نبی کریم کا زمانہ پایا لیکن آپ کے وصال کے بعد اسلام لائے۔ اس لیے آپ کو صحابہ میں شمار نہیں کیا جاتا آپ نے نبی کریم ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ سے مرسلاً عمر بن الخطاب، اپنے والد مالک بن عامر، ابوذر، ابوالدرداء، مقداد بن اسود، خالد بن الولید، عبادۃ بن صامت، عبداللہ بن عمرو، معاویہ، نواس بن سمعان، ثوبان، عقبہ بن عامر الجہنی کے علاوہ کبار علماء، محدثین و مفسرین سے کسب فیض کیا اور ان سے روایات نقل کی ہیں۔ البتہ عمر بن الخطاب سے آپ کے براہ راست سماع کو ابن حجر مشکوک قرار دیتے ہیں لیکن ابن سعد نے آپ کے عمر سے روایات نقل کرنے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ آپ سے آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن و مکحول کے علاوہ خالد بن معدان، ابوالزاہریہ، ابوعثمان، حبیب بن عبید اور صفوان بن عمرو نے شرف تلمذ حاصل کیا۔

ابو حاتم، ابوزرعہ رازی، اور ابو زرعہ دمشقی نے آپ کو ثقات و کبار تابعین میں سے اعلیٰ شان کا حامل شمار کیا ہے۔ اور ابو ادریس پر آپ کو ترجیح دی ہے امام نسائی کے نزدیک تین تابعین صحابہ سے روایت میں احسن مرتبہ کو حاصل کرنے والے ہیں۔ جبیر ان میں سے ایک ہے۔

ابن حجر نے آپ کی تاریخ وفات میں دو قول نقل کیے ہیں۔ ابوحسن الزیادی کے مطابق آپ کی وفات ۷۵ھ/۶۹٤ء میں ہوئی، جب کہ دوسرے قول کے مطابق آپ کا سنہ وفات ۸۰ھ ہے۔ ابن سعد نے ۸۰ھ/۶۹۹ کو ترجیح دی ہے۔ (۲٤)

ذھبی نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے کہ آپ کی وفات ۸۰ھ میں ہوئی۔ (۲۵)

رفیع بن مہران ابو العالیہ الریاحی ۹۰ھ، / ۷۰۸ء

رفیع بن مہران بنی ریاح کی ایک خاتون کے غلام تھے، ان خاتون نے ان کو آزاد کر دیا تھا، نبی کریمؐ کے زمانہ حیات میں اگرچہ موجود تھے لیکن اسلام آپ نے حضورؐ کے وصال کے بعد صدیق اکبرؓ کی عہد خلافت میں قبول کیا۔ کبار صحابہ سے جن میں حضرت علی، عبادلہ بن مسعود، ابن عباس، ابن عمر، حذیفہ، ابی بن کعب، ابو ایوب، ابو موسیٰ اشعری، ابوسعید الخدری اور حضرت عائشہؓ شامل ہیں سے کسب فیض کیا۔ خالد الخذاء، داؤد بن ابی ھند، محمد بن سیرین اور یوسف بن عبداللہ اور ایک کثیر جماعت کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ ابن ابی الدرداء کے مطابق صحابہ کرام کے بعد ابو العالیہ قرآن کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ ائمہ اسماء الرجال کی اکثریت نے آپ کو ثقہ شمار کیا ہے۔

آپ کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ ذھبی نے دو قول ۹۰ھ/۷۰۸ء اور ۹۳ھ/۷۱۱ء نقل کر کے ۹۳ھ کو ترجیح دی ہے۔ ابن حجر نے بھی آپ کا سال وفات ۹۳ھ نقل کیا ہے۔ (۲۶)

ابن سعد نے ابو خلدہ کا قول نقل کیا ہے آپ کی وفات شوال ۹۰ھ میں پیر کے روز ہوئی۔ (۲۷)

داؤدی کے مطابق آپ کی روایات تفسیر کا مجموعہ ربیع بن انس البکری نے نقل کیا ہے۔ (۲۸)

سعید بن جبیر بن ہشام الاسدی م ۹۲ھ/۷۱۰ء

جبیر کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے۔ عبادلہ بن عباس، ابن زبیر، ابن عمرو بن العاص، ابن معقل، عدی بن حاتم ابو مسعود الانصاری، ابو سعید الخدری، ابو ہریرۃ اور ابو موسیٰ اشعری جیسے کبار صحابہ سے آپ نے روایات نقل کی ہیں۔ عبدالملک، عبداللہ، یعلی بن حکم، یعلی بن مسلم، ابو اسحاق السبیعی کے علاوہ ایک جماعت نے آپ سے کسب فیض کیا۔ جبیر عبداللہ بن عباس کے معتمد علیہ تلامذہ میں سے تھے۔

آپ کے ہم عصر محدثین آپ کی علمی برتری کو تسلیم کرتے تھے، عمرو بن میمون اپنے والد سے نقل کرتے ہیں فرماتے تھے کہ جس وقت جبیر کی وفات ہوئی تو کرہ ارض پر کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو۔ ۹۵ھ/۷۱۳ء میں جس وقت آپ کی عمر ۴۹ سال تھی حجاج بن یوسف نے آپ کو قتل کیا۔ (۲۹)

داؤدی نے آپ کا سال وفات ۱۷۵ھ/۷۹۱ء نقل کیا ہے جو تاریخی اعتبار سے درست نہیں۔ (۳۰)

جبیر علوم قرآنی اور تجوید وقرات میں ماہر تھے۔ اسمعیل بن عبدالملک کے مطابق جبیر رمضان المبارک میں ایک دن ابن مسعودؓ کی روایت کے مطابق اور ایک دن زید کی روایت پر تلاوت کرتے۔ ہلال بن یسار کے مطابق آپ ایک مرتبہ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور ایک رکعت میں پورا قرآن تلاوت کیا۔ عموماً دو راتوں میں ایک قرآن کی تلاوت مکمل کرتے تھے۔ (۳۱)

الضحاک بن مراحم الھلالی ابو القاسم الخراسانی م ۱۰۰ھ/ ۷۱۸ء کے بعد

ضحاک بن مراحم کا شمار بھی تابعین میں ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض تذکرہ نگاروں نے اس سے اختلاف کیا ہے اور کہا کہ کسی صحابی سے ان کا سماع ثابت نہیں۔ صحابہ میں عبداللہ بن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعیدؓ، زید بن ارقمؓ اور انس بن مالکؓ سے کسب فیض کیا۔ آپ نے عبداللہ بن عباسؓ سے ملاقات کی اور علوم تفسیر میں ان سے استفادہ کیا۔ (۳۲)

آپ کی تفسیر کو عبید بن سلیمان نے روایت کیا ہے۔ (۳۳)

۱۰۰ھ/ ۷۱۸ء کے بعد آپ کی وفات ہوئی۔ (۳٤)

الحسن البصری بن ابی الحسن ابوسعید م ۱۱۰ھ/ ۷۲۷ء

ابن سعد کی روایت کے مطابق حسن بصری کی ولادت حضرت عمر فاروقؓ

کے عہد خلافت میں ان کی شہادت سے دو سال قبل ہوئی۔ وادی قری میں آپ کی پرورش ہوئی۔ حضرت علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابن عباسؓ، انس بن مالکؓ، ابی بن کعبؓ، طلحہ بن زبیرؓ، عائشہ صدیقہؓ کے علاوہ کبار تابعین سے بھی کسب فیض کیا۔ حمید الطّویل، ایوب اور قتادہ جیسے تابعین نے آپ سے استفادہ کیا۔ (۳۵)

محمد بن سعد کے مطابق آپ کی شخصیت ایک جامع العلوم بلند پایہ، ثقہ، پاکیزہ اور علمی اعتبار سے وزنی شخصیت تھی۔ (۳۶)

رجب ۱۱۰ھ/ ۷۲۷ء میں ۸۸ برس کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔ (۳۷)

عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، انس بن مالک، اور عائشہ صدیقہ سے آپ نے علوم تفسیر میں کثرت سے استفادہ کیا اور حمید الطّویل نے آپ سے ان علوم کو اخذ کیا۔ طبقہ تابعین میں آپ ممتاز مفسرین میں شمار ہوتے ہیں۔ (۳۸)

قتادہ بن دعامہ بن قتادہ السدوسی ابوالخطاب البصری ۱۱۷ھ/ ۷۳۵ء

قتادہ پیدائشی طور پر اکمہ تھے۔ انس بن مالک، عبداللہ بن سرجس، ابوالطفیل، صفیہ بنت شیبہ جیسے صحابہ اور حسن بصری، محمد بن سیرین اور عطاء جیسے کبار تابعین سے آپ کو شرف تلمذ حاصل ہے۔ ایوب سختیانی، سلیمان التیمی، جریر بن حازم، آپ کے تلامذہ شمار ہوتے ہیں۔ آپ امتیازی قوت حافظہ کے مالک تھے۔ لغت عربی، تاریخ عرب اور انساب عرب میں آپ کو گہری دسترس حاصل تھی لیکن سب سے زیادہ شہرت آپ کی بحیثیت مفسر تھی۔

ائمہ اسماء الرجال کی اکثریت آپ کی امتیازی قوت حافظہ کی وجہ سے آپ کو عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ المسیب فرماتے ہیں کہ علماء عراق میں قتادہ کی مثال ملنی ممکن نہیں۔ ابن سیرین آپ کو احفظ الناس مانتے ہیں۔ امام زہری آپ کو مکحول پر ترجیح دیتے تھے۔ ۱۱۷ھ/۷۳۵ء میں ۵۶ برس کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔ (۳۹)

علامہ ابن خلکان نے وفیات میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علوم تفسیر میں آپ کو کس قدر قبول عام حاصل تھا۔

"ابوعمرو کے سامنے کسی نے قرآن حکیم کی ایک آیت تلاوت کی اور اس آیت کی وضاحت میں قتادہ کا قول نقل کیا۔ ابوعمرو نے اس میں کوئی مزید رائے نہیں دی اور فرمایا کہ تفسیر میں حتی کہ تقدیری معاملات میں بھی قتادہ کی رائے کے بعد کسی رائے کی ضرورت نہیں۔" (٤٠)

مجاہد بن جبر ابوالحجاج المکی المخزومی م ۱۰۲ھ/ ۷۲۰ء

مجاہد بن جبر حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ۲۱ھ/ ٦٤١ء میں پیدا ہوئے۔ حضرت علیؓ، سعد بن ابی وقاص، عبادلہ ابن عباس، ابن مسعود، ابن عمر، ابن زبیر، رافع بن خدیج، ابو سعید الخدری، عائشہ، ام سلمہ، جویریہ، اور ھانی بنت ابی طالب سے استفادہ کیا۔ ایوب سجستانی، عطاء اور عکرمہ جیسے محدثین آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ (٤١)

عبداللہ بن عباسؓ سے آپ نے زیادہ کسب فیض کیا اور ابن عباسؓ کے علوم تفسیر کے آپ بہترین ورثاء میں سے ہیں۔ (٤٢)

داؤدی کی نقل کردہ ایک روایت کے مطابق آپ نے ابن عباسؓ کے سامنے تین مرتبہ مکمل قرآن کریم کی تلاوت اس کیفیت کے ساتھ کی کہ ہر آیت پر رک کر، اس کا شان نزول اور اس کی تفسیر و توضیح دریافت کرتے اور پھر آگے بڑھتے۔ (٤٣)

آپ اپنے عہد کے امام التفسیر سمجھے جاتے تھے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام آپ نے مصر میں گزارے اور وہاں نہ صرف آپ نے مسلمہ بن مخلد سے استفادہ کیا بلکہ اپنے علوم و معارف سے اہل مصر کو خوب فیضیاب کیا۔ مصر اور گرد و نواح کے لوگ آپ سے استفادہ کرتے اور آپ کی نقل کردہ روایات کو لکھتے۔ (٤٤)

آپ کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ یحیٰی بن بکیر کے مطابق آپ کی وفات ۱۰۱ھ/۷۱۹ء میں ۸۳ برس کی عمر میں ہوئی۔ ابو نعیم ۱۰۲ھ/۷۲۰ء کے قائل ہیں جب کہ احمد بن حنبل ۱۰۳ھ/۷۲۱ء کے۔ احمد بن حنبل کا قول زیادہ صحیح محسوس ہوتا ہے کیونکہ یحیٰی بن بکیر نے انتقال کے وقت عمر ۸۳ برس نقل کی ہے اور سال ولادت ۲۱ھ/۶۴۱ء نقل کیا گیا ہے۔ ان دونوں کو ملا کر ۱۰۴ھ بنتا ہے۔ اس لیے قریب ترین ابن حنبل کا قول ہے۔ (۴۵)

اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی ابو محمد الاعوا ۱۲۷ھ/ ۷۴۴ء

کوفہ کی جامع مسجد کے مدرس اسمعیل بن عبدالرحمٰن ابو محمد الاعوا جامع مسجد کی روش میں بیٹھتے تھے اس لیے ان کا نام السدی رکھ دیا گیا۔ آپ انس بن مالک اور عبداللہ بن عباس کے خصوصی شاگردوں میں سے ہیں۔ شعبہ، سفیان ثوری، اور حسن بن صالح جیسے کبار تابعین آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ائمہ اسماء الرجال میں سے بعض نے اگرچہ اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن کو غیر ثقہ شمار کیا ہے لیکن اکثریت نے آپ کی روایات خصوصاً آپ کی روایات تفسیر کو معتبر مانا ہے۔ امام احمد بن حنبل، یحیٰی بن معین، ابن حبان اور عبداللہ بن احمد نے آپکو ثقہ شمار کیا ہے عجلی فرماتے ہیں کہ ثقہ ہیں اور روایات تفسیر کا اچھا علم رکھتے ہیں۔ ۱۲۷ھ/۷۴۴ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ (۲۶)

عہد تابعین کے مفسرین کے تذکروں میں ذھبی نے آپ کا ذکر نہیں کیا البتہ داوٗدی نے آپ کو "صاحب التفسیر" قرار دیا ہے۔ (۴۷)

داوٗد بن ابی الھند القشیری (ابو محمد البصری) ۱۳۹ھ/۷۴۶ء

داوٗد بن ابی الھند القشیری کو طہان القشیری بھی کہا جاتا تھا۔ آپ نے صحابہ میں انس بن مالک کو دیکھا لیکن حاکم کے مطابق ان سے آپ کا سماع ثابت

نہیں ہے۔عکرمہ،شعبی، زرارۃ بن ابی اوفی، ابوالعالیہ، المسیب، سماک بن حرب، محمد بن سیرین، ابوالزبیر اور مکحول شامی وغیرہ سے آپ نے روایات نقل کی ہیں۔حسن بصری کے زمانہ میں آپ بصرہ میں فتویٰ دیتے تھے، ابن المبارک سفیان ثوری کا قول نقل کرتے ہیں کہ آپ حفاظ بصرہ میں سے ہیں۔ ابن معین، عجلی، ابو حاتم، نسائی، یعقوب بن شیبہ آپ کو ثقہ شمار کرتے ہیں۔ابن حبان کے مطابق آپ نے انس بن مالک سے پانچ احادیث مرسلاً نقل کی ہیں لیکن آپ بصرہ کے صاحب کمال اہل تقوی میں سے ہیں۔ ۱۳۹ھ/۷۵۶ء میں آپ کی وفات ہوئی۔علی بن المدینی کے مطابق ۱۴۰ھ/۷۵۷ء میں اور ایک روایت کے مطابق ۱۴۱ھ/۷۵۸ء میں ہوئی۔

(۴۸)

داؤدی کے مطابق آپ صائم الدہر متقی انسان تھے اور آپ سے ایک تفسیر بھی منسوب ہے۔(۴۹)

عطاء بن ابی مسلم ابوعثمان الخراسانی م ۱۳۵ھ/۷۵۲ء

عطاء بن ابی مسلم خراسانی مہلب بن ابی صفرہ کے آزاد کردہ تھے۔ ۵۰ھ/۶۷۰ء میں پیدا ہوئے۔آپ صغار تابعین میں شمار ہوتے ہیں مسیّب، عبداللہ بن بریدہ، یحییٰ بن یعمر، ابوالغوث القرعی، عمر بن شعیب (ابن عمر کے آزاد کردہ) اور نافع جیسے صحابہ وکبار تابعین آپ کے اساتذہ تھے۔عثمان بن عطاء، شعبہ، ابراہیم بن طہمان، داؤد بن ابی الھند، معمر، ابن جریج، اوزاعی اور ضحاک بن عبدالرحمٰن کے علاوہ ایک جماعت نے آپ سے کسب فیض کیا۔عبداللہ بن عباس، عدی بن عدی، مغیرۃ بن شعبہ، ابوہریرہ، ابوالدرداء، انس بن مالک، کعب بن عجرہ، اور معاذ بن جبل سے آپ نے مرسلاً روایات نقل کی ہیں۔ابن معین، ابن ابی حاتم، نسائی اور دارقطنی نے آپ کو ثقہ، صدوق اور قابل اطمینان قرار دیا ہے۔دارقطنی نے مزید وضاحت یہ بھی کی ہے کہ آپ نے ابن عباسؓ سے ملاقات نہیں کی۔(۵۰)

۱۳۵ھ/۷۵۲ء میں آپ نے وفات پائی۔(۵۱)

علم تفسیر میں آپ نے اپنے ہم نام عطاء بن ابی رباح سے بکثرت استفادہ کیا اور کسی واسطہ سے ابن عباس کی روایات سے بھی اگرچہ آپ نے اس واسطہ کا ذکر نہیں کیا۔ تنزیل القرآن، تفسیر القرآن، ناسخہ ومنسوخہ کے نام سے تین کتب آپ نے تالیف کیں۔ (۵۲)

امام بخاریؒ نے سورۃ نوح کی تفسیر میں ہشام عن ابن جریج کی سند سے آپ کی ایک روایت نقل کی ہے جو آپ نے عبداللہ بن عباس سے نقل کی ہے۔ (۵۳)

اگرچہ بعض محدثین کا خیال ہے کہ یہ روایات عطاء بن ابی رباح سے منقول ہے البتہ امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے آپ سے روایات نقل کی ہیں۔ (۵۴)

زید بن اسلم العدوی الامام ابوعبداللہ المصری م ۱۳۶ھ/۷۵۳ء

زید بن اسلم کا شمار بھی طبقہ صغار تابعین میں فقہاء ومفسرین مدینہ منورہ میں ہوتا ہے۔ آپ حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ ہیں۔ صحابہ میں اپنے والد اسلم عدوی، ابن عمر، ابوہریرہ، عائشہ، جابر، ربیعہ بن عباد، سلمہ بن اکوع، انس بن مالک، کے علاوہ دیگر حضرات صحابہؓ سے استفادہ کیا۔ آپ سے آپ کے برخورداران، اسامہ، عبداللہ اور عبدالرحمٰن کے علاوہ مالک بن عجلان، ابن جریج اور ایک کثیر تعداد نے کسب فیض کیا۔ امام احمد، ابوزرعہ رازی، ابو حاتم، محمد بن سعد، نسائی اور ابن خراش نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اور یعقوب بن شیبہ نے فقیہ اور عظیم مفسر کہا ہے۔ ۱۳۶ھ/۷۵۳ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ (۵۵)

ذھبی کے مطابق آپ کی تفسیری روایات کا مجموعہ آپ کے برخوردار عبدالرحمٰن بن زید نے نقل کیا ہے۔ (۵۶)

ابان بن تغلب الربعی ابوسعد الکوفی ۱۴۱ھ/۷۵۸ء

ابان بن تغلب اسحاق سبیعی فضیل بن عمر اور ابوجعفر باقر کے شاگرد ہیں جب

کہ موسیٰ بن عقبہ، شعبہ، حماد بن عیینہ اور ایک کثیر تعداد کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابوحاتم اور نسائی کے نزدیک آپ ثقہ ہیں۔ بعض لوگوں نے تشیع کی بھی نسبت کی ہے لیکن اکثریت کی رائے میں آپ کی روایات قابل اعتماد ہیں۔ ۱۴۰ھ/۷۵۷ء یا ۱۴۱ھ/۷۵۸ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ (۵۷)

جزری کے مطابق آپ ان تین اشخاص میں سے ہیں جنہوں نے اعمش سے پورے قرآن کریم کی تفسیر کا درس لیا۔ (۵۸)

علی بن ابی طلحہ سالم بن المخاق، ابوالحسن م ۱۴۳ھ/۷۶۰ء

آپ جزیرہ میں پیدا ہوئے اور پھر ساری زندگی حمص میں گزار دی تفسیر و توضیح قرآن کریم پر مشتمل روایات میں عبداللہ بن عباس کے شاگرد ہیں۔ ابن عباسؓ سے منقولہ ان روایات کو ایک صحیفہ کی شکل میں جمع کیا جو آپ کے ہم عصر محدث امام لیث م ۱۴۳ھ/۷۶۰ء کے کاتب ابوصالح کے پاس تھا، امام بخاری نے کتاب التفسیر میں اور ابن جریر نے جامع البیان میں اس صحیفہ سے بکثرت روایات نقل کی ہیں۔ حمص سے یہ صحیفہ مصر پہنچا۔ اسی کے متعلق احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

"بمصر صحيفة فى التفسير رواها على بن ابى طلحه لورحل رجل فيها الى مصر قاصدا ما كان كثيراً" (۵۹)

(مصر میں روایات تفسیر پر مشتمل ایک صحیفہ ہے جو علی بن ابی طلحہ کی مرویات پر مشتمل ہے اگر کوئی شخص مصر کا سفر صرف اس صحیفہ کی خاطر کرے تو کوئی بڑی بات نہیں)

۱۴۳ھ/۷۶۰ء میں علی کی وفات ہوئی لیکن آپ کا مجموعہ روایات تفسیر بعد کے دور کے مفسرین کے لیے ایک مصدر و رہنما بن گیا۔ علامہ ابن کثیر نے تفسیر میں اور فواد عبدالباقی نے معجم غریب القرآن کے نام سے اس کے کچھ اقتباسات شائع کیے ہیں۔ (۶۰)

تفسیری امتیازات

عہد صحابہ کے تفسیری امتیازات میں بیان کیا گیا تھا کہ علوم قراءت شان نزول، فضائل سور، بعض مخصوص سورتوں یا آیات کی نبی کریم ﷺ سے تلاوت اور نسخ و احکام کی تفسیری روایات منقول ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی ایک امتیاز تھا کہ کسی ایک صحابی سے پورے قرآن کریم کی تفسیر بالاستیعاب منقول نہیں تھی۔ صحابہ کرام نے فلسفیانہ موشگافیوں کو تفسیر میں جگہ نہیں دی۔ احکام و مسائل میں جزئیاتی بحث کرنے کی بجائے اصولی اور کلیاتی بحث کی۔ عہد صحابہ کے یہ تفسیری امتیازات تاریخ تفسیر میں اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عہد تابعین کے تفسیری امتیازات میں بھی عہد صحابہ کے قائم کردہ ان اصولوں کو بنیادی و اساسی حیثیت حاصل رہی البتہ علم تفسیر نے ترقی و ارتقاء کی منزل طے کی جس کا اندازہ عہد تابعین کے تفسیری امتیازات کو دیکھ کر ہوگا۔

۱۔ وقت و زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ، اور ہدایات نبویہ مقبول عام ہو رہی تھیں اور لوگ خصوصاً صحیح فہم رکھنے والے اہل کتاب اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ ان اہل کتاب میں عبداللہ بن سلام، کعب احبار، وھب بن منبہ، عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج شامل ہیں۔ یہ حضرات اہل کتاب کے علماء تھے، امم سابقہ کے ان قصص و واقعات میں گہری دسترس تفصیلی اور جزئیاتی معلومات رکھتے تھے جن کی جانب قرآن کریم نے اختصار کے ساتھ اشارات کیے ہیں۔ تابعین کرام خصوصاً علم تفسیر سے شغف رکھنے والے حضرات ؒ تحقیق و جستجو کا شوق بہت زیادہ تھا جس کی وجہ سے یہ حضرات ان لوگوں سے بکثرت استفادہ کرتے جو ترک یہودیت یا نصرانیت کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے اس عہد میں اسرائیلیات کثرت سے تفسیر کا حصہ بن گئیں۔

۲۔ عہد تابعین کی تفسیر میں دوسرا امتیاز یہ دیکھنے میں آیا کہ مختلف علاقوں میں مدارس تفسیر قائم ہو گئے اور ہر علاقہ کے لوگ اپنے علاقہ کے مفسرین یا

مدارس تفسیر سے استفادہ کرنے لگے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن عباس کا مدرسہ تفسیر قائم ہوا۔ جبیر، مجاہد بن جبیر، عکرمہ، طاؤس بن کیسان، عطاء بن ابی رباح نے اسی مدرسہ سے اکتساب علم کیا۔ مدینہ منورہ میں ابی بن کعب نے مدرسہ قائم کیا۔ ابوالعالیہ، محمد بن کعب القرظی اور زید بن اسلم نے اس مدرسہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ عبداللہ بن مسعود نے عراق کے علاقہ کو سیراب علم کیا علقمہ بن قیس، مسروق، اسود بن یزید، مرہ الھمدانی، عامر الشعبی، حسن بصری اور قتادہ عبداللہ بن مسعود کے علوم سے بہرہ مند ہوئے۔ اسی طرح علوم تفسیر کی اشاعت اب مکہ اور مدینہ سے وسعت پا کر عراق تک پہنچ گئی تھی اور بصرہ و بغداد بھی اس صف میں شامل ہو گئے اور یہی چیز علوم تفسیر کی ترویج، اشاعت اور ترقی میں ایک مہمیز ثابت ہوئی۔

۳۔ عبداللہ بن عباس، ابی بن کعب اور عبداللہ بن مسعودؓ، ان تینوں حضرات سے منقولہ روایات اور ان کا انداز تدریس ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ابن عباسؓ تفسیری نکات اور قرآن کریم کے الفاظ کے بطن میں چھپے ہوئے معانی میں غور و خوض میں مہارت رکھتے تھے۔ ابی بن کعب کو روایات تلفظ و قرات سے زیادہ دلچسپی تھی جب کہ عبداللہ بن مسعود کا میلان فقہی اور کلامی بحث کی طرف تھا۔ ان تینوں حضرات کے تلامذہ میں بھی یہ تینوں رنگ علیحدہ نظر آئے۔ ابی بن کعب کے تلامذہ میں زیادہ قراء نظر آئیں گے، ابن مسعود کے تلامذہ میں حسن بصری اور قتادہ جیسے لوگ نظر آئیں گے کہ جو قضاء و قدر کے میدان میں جولانی کرتے نظر آتے ہیں۔ اس طرح تفسیر میں تنوع پیدا ہوا۔

٤۔ عہد صحابہ میں تفسیری نکات کی توضیح کے لیے ہر ایک کا مرجع نبی کریم ﷺ کی ذات تھی آپ کے وصال کے بعد مراجع متعدد ہو گئے جس کی وجہ سے تفسیر میں آراء کا اختلاف بھی نظر آنے لگا۔ لیکن یہ اختلافات محض اظہار و بیان کا اختلاف تھا، مصداق و مراد اور معنی و مفہوم کے اعتبار سے تضاد نہیں ہوتا تھا مثلاً صراط مستقیم کی تفسیر میں کسی کی رائے یہ ہوئی کہ اتباع قرآن

کریم کا راستہ صراط مستقیم ہے۔ کسی نے کہا اتباع سنت کا راستہ صراط مستقیم ہے اور کسی کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا راستہ صراط مستقیم کا مصداق ٹھہرا۔ یہ بیان و انداز کا اختلاف ہے مراد و مقصود سب کا ایک ہی محسوس ہوتا ہے۔

۵۔ عہد صحابہؓ کے تفسیری امتیازات میں یہ بات بیان کی گئی تھی کہ عہد صحابہ میں تفسیر علیحدہ علم نہ تھا، بلکہ حدیث نبوی کے ایک حصہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور صحابہ کرام کے عہد میں پورے قرآن کریم کی تفسیر یک جا موجود نہ تھی، عہد تابعین میں کچھ ایسے حضرات گزرے جن سے تفسیری روایات مجموعہ کی شکل میں منقول ہیں جنہیں ان کے تلامذہ نے نقل کیا۔ رفیع بن مہران کے مجموعہ تفسیر کو ان کے شاگرد ربیع بن انس البکری نے، ضحاک بن مزاحم کے مجموعہ تفسیر کو عبید بن سلیمان نے حسن بصری کے مجموعہ تفسیر کو حمید الطّویل نے اور زید بن اسلم کی تفسیری روایات کے مجموعہ کو ان کے برخوردار عبدالرحمٰن بن زید نے نقل کیا۔ علاوہ ازیں داؤدی کے مطابق اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن السدوسی اور داؤد بن ابی الھند سے ایک ایک تفسیر منسوب ہے۔ (۶۱) اس طرح عہد تابعین عہد صحابہ اور عہد تدوین کے درمیان ایک رابطہ کی حیثیت رکھتا ہے بالفاظ دیگر تفسیر کا عہد تدوین جس میں ایسی کتب تالیف کی گئیں کہ جو خود بھی امر ہوگئیں اور مؤلف کو بھی زندہ جاوید کر گئیں، اس عہد کا آغاز عہد تابعین میں ہی ہوگیا تھا۔ آئندہ باب میں اس عہد تدوین کے حوالہ سے صرف تفسیری رجحانات پر بات کی جائے گی۔ اور ہر رجحان کی چند نمائندہ تفسیروں کا ذکر ہوگا کہ تمام مفسرین کا تذکرہ موجب طوالت ہوگا۔

حواشی

۱۔ ابن حجر، علی بن سلطان، تهذیب (٤٨٤) حیدر آباد دکن، دائرہ معارف، ج۷: ص ۲۷۷

۲۔ ذھبی، تذکرۃ الحفاظ (٢٤-١/٢) ج١:ص٤٨، امام ذھبی نے اپنی کتاب میں باعتبار ثقاھت رجال کی ترتیب رکھی ھے۔

۳۔ حوالہ بالا۔

٤۔ حوالہ بالا۔

٥۔ ابن حجر، کتاب و جلد مذکور، ص ۲۷۸

٦۔ جزری، غایۃ النھایہ فی طبقات القراء (٢١٣٥) ج١:ص٥١٦

۷۔ حنبلی، شذرات الذھب فی اخبار من ذھب، ج١:ص٧٠

۸۔ ابن حجر، تھذیب التھذیب، (٢٠٥) ج١٠:ص١١٠

۹۔ ذھبی، تذکرۃ الحفاظ، (٢٦-٣/٢) ج١ : ص ٤٩

۱۰۔ حنبلی، شذرات الذھب، ج١ : ص٧١

ابن سعد، محمد، الطبقات الکبری، بیروت، داراصادر، ج٦:ص٨٤

۱۱۔ جزری، غایۃ النھایہ، (٨٥٩١) ج١ : ص ٢٩٤

۱۲۔ ابن حجر، تھذیب التھذیب (٦٢٥) ج١ : ص ٣٤٢، ٤٣

۱۳۔ حنبلی، شذرات الذھب، ج١ : ص ٨٢

۱٤۔ ذھبی، تذکرۃ الحفاظ (٢٩-٦/٢) ج١ : ص ٥١

۱٥۔ جزری، غایتہ النھایہ (٧٩٦) ج١ : ص ١٧١

۱٦۔ ابن حجر، تھذیب التھذیب، (١٥٨) ج١٠ : ص ٨٨، ٨٩

۱۷۔ ذھبی، تذکرۃ الحفاظ (٦٠-٣٧/٢)۔ج ١ : ص ٦٧

۱۸۔ ابن حجر، حوالہ مذکور۔

۱۹۔ ذھبی، حوالہ مذکور۔

۲۰۔ ابن سعد، حوالہ مذکور۔

۲۱۔ ذہبی، التفسیر والمفسرون، ج۱ : ص ۱۲۱
دائودی، طبقات المفسرین (۶۲۸) ج۲ : ص ۳۱۷

۲۲۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب (۵۶۴) ج۴ : ص ۳۲۶ تا ۲۸
ابن سعد، الطبقات، ج ۶ :ص ۱۴۵

۲۳۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (۱۴۔۲/۲۱) ج۱ : ص ۵۹

۲۴۔ ابن حجر، کتاب مذکور (۱۰۳) ج۲ : ص ۶۴، ۶۵
ابن سعد، الطبقات، ج ۷ : ص ۴۴۰

۲۵۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (۲۳۔۲/۹) ج۱ : ص ۵۲
ایضاً العبر، ج۱ : ص ۶۷

۲۶۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (۵۰۔۲/۲۷) ج۱ : ص ۶۲
ابن حجر، تہذیب التہذیب (۵۳۹) ج ۴ : ص ۲۸۴

۲۷۔ ابن سعد، الطبقات، ج۷ : ص ۱۱۷

۲۸۔ دائودی، طبقات المفسرین (۱۷۰) ج ۱: ص ۱۷۹

۲۹۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب (۱۴) ج ۴ : ص ۱۱ تا ۱۳
ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (۷۳۔۳/۸) ج۱: ص ۷۶، ۷۷
ایضاً، العبر، ج۱ : ص ۸۴

۳۰۔ دائودی ، طبقات المفسرین (۱۸۱) ج۱ : ص ۱۸۸

۳۱۔ حوالہ بالا

۳۲۔ ابن حجر، کتاب مذکور (۷۸۴) ج ۴ : ص ۴۵۳

۳۳۔ دائودی، طبقات المفسرین (۲۱۰) ج ۱ : ص ۲۲۲

۳۴۔ ابن حجر، کتاب و جلد مذکور، ص ۴۵۴

۳۵۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب (۴۸۸) ج ۲ : ص ۲۶۳، تا ۶۶

۳۶۔ ابن سعد، الطبقات، ج ۷ : ص ۱۵۷

۳۷۔ ابن حجر، کتاب و جلد مذکور ص ۲۶۶

۳۸۔ ذہبی، التفسیر والمفسرون (٦) ج ١ : ص ١٢٤، ٢٥

۳۹۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب (٦٣٥) ج ٨ : ص ٣٥١ تا ٥٦

۴۰۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج ٢ : ص ١٧٩

۴۱۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب (٦٨) ج٩:ص٢٠٠، ٤

۴۲۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (٨٣-٣/١٨) ج ١ : ص ٩٢

۴۳۔ دائودی، طبقات المفسرین (٦١٧) ج ٢ : ص ٣٠٦

۴۴۔ ایضاً ص ٣٠٧

۴۵۔ ابن حجر، کتاب و جلد مذکور، ص ٤٣

۴۶۔ ابن حجر، کتاب مذکور (٥٧٢) ج١ : ص ٣١٣، ١٤

۴۷۔ دائودی، طبقات المفسرین (١٠١) ج ١ : ص ١١٠

۴۸۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب (٣٨٨) ج ٣ : ص ٢٠٤

۴۹۔ دائودی، طبقات المفسرین (١٦٦) ج ١ : ص ١٧٤

۵۰۔ ابن حجر، کتاب مذکور (٣٩٤) ج ٧ : ص ٢١٢ تا ١٥

۵۱۔ دائودی، طبقات المفسرین ، (٣٢٩) ج ١ : ص ٣٨٥

۵۲۔ حوالہ بالا

۵۳۔ بخاری، الجامع الصحیح (٤٦٣٦)، ج ٤ : ص ١٨٧٣، باب تفسیر سورۃ نوح (٣٩٧) کتاب التفسیر

۵۴۔ ابن حجر، حوالہ مذکور

۵۵۔ ایضاً

۵۶۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج١ : ص ١٣٧

۵۷۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب (١٦٦) ج ١ : ص ٩٣، ٩٤

۵۸۔ جزری، غایتہ النہایہ، (١) ج ١ : ص ٤

۵۹۔ ابن حجر، کتاب مذکور۔

باب ثالث

عہد تدوین

(۱۴۱ھ تا ۱۳۰۰ھ ۷۵۸ء تا ۱۸۸۲ء)

نبی کریم ﷺ کے زمانہ، صحابہ کرام کے عہد اور تابعین کے دور کے بعد علم تفسیر میں عصر تدوین کا آغاز ہوتا ہے۔ علم تفسیر اپنی ارتقاء کی منزلیں طے کرتا ہوا جب اس عہد میں داخل ہوا تو اسے ترتیب و تدوین سے مزین کرنے والے اصحاب ملے۔ دوسری صدی ہجری کے آخری نصف سے علوم اسلامیہ میں ترتیب و تدوین کا رجحان پیدا ہوا، علوم حدیث بھی اسی زمانہ میں مرتب و مدون ہونا شروع ہوئے، اس سے پہلے احادیث مختلف ذخیروں کی شکل میں محفوظ تھیں لیکن ترتیب و تدوین سے خالی تھیں، اسی زمانہ میں فقہی مسائل اور اصول وکلیات کو منضبط کرنا شروع کیا گیا، غرضیکہ علوم اسلامیہ خواہ وہ علم تفسیر ہو، علوم حدیث وفقہ یا اصول وقواعد کے علوم، اسی زمانہ میں ان کی تدوین کا آغاز ہوا۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔

(الف) نبی کریم ﷺ کے زمانہ حیات میں وحی کے نزول کا سلسلہ ابھی جاری تھا اور وقتاً فوقتاً، حسب ضرورت و حال وحی نازل ہوتی تھی، علوم اسلامیہ کی پہلی اور سب سے بڑی بنیاد، قرآن کریم ابھی مکمل نازل نہ ہوا تھا اور ایسے میں ان علوم کی ترتیب و تدوین ممکن نہ تھی۔ چنانچہ یہ علوم صحابہ کرامؓ کے پاس اسی طرح محفوظ تھے اگرچہ تدوین کی بنیاد و اساس اس حد تک موجود تھی کہ مختلف صحابہ کی روایات میں تنوع تھا بعض صحابہ کی روایات زیادہ تر تفسیر سے متعلق ہوتیں، بعض صحابہ کی روایات مسائل فقہیہ کی بنیاد ہیں اور بعض صحابہ نے مغازی وسیر کی روایات کو نقل کیا، جس پر تاریخ و سیرت کے علوم مدون ہوئے۔ لیکن یہ تدوین تحریری شکل میں موجود نہ تھی۔ صحابہ کرام سے تابعین میں یہ علوم اسی طرح منتقل ہونا شروع ہوگئے البتہ ایک غیر شعوری تدوین اس طرح عمل میں آنے لگی کہ تابعین اپنی دلچسپی کے مطابق صحابہ سے کسب فیض کرنے لگے، جن حضرات کو تفسیر سے زیادہ شغف تھا، انہوں نے مفسرین صحابہ کا دامن تھام لیا، جن کو مسائل فقہیہ میں زیادہ دلچسپی تھی، انہون نے فقہاء صحابہ سے استفادہ کیا اور جن حضرات کو تاریخ وسیرت سے زیادہ لگاؤ تھا، وہ ان صحابہ کی درس گاہوں سے منسلک ہوگئے جو سیر و مغازی کی روایات زیادہ نقل کرتے تھے۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری کے دوسرے نصف حصہ میں جب یہ علوم تابعین

سے آئندہ نسل کو منتقل ہونا شروع ہوئے تو ان میں ترتیب و تدوین کھل کر اور واضح ہو کر سامنے آ گئی۔ اگرچہ اس کے بعض بہت لطیف آثار زمانہ نبوی اور عہد صحابہ میں بھی موجود تھے۔

(ب) خلفاء راشدین کے زمانہ میں عموماً اور عہد فاروقی و عثمان میں خصوصاً غیر عرب لوگ کثرت سے اسلام قبول کرنے لگے۔ عربوں کا حافظہ جس درجہ کا تھا، ذکاوت اور فہم و فراست میں جس مقام پر عرب فائز تھے، غیر عرب ان کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے عرب غیر عرب کو عجم (گونگا) کے عنوان سے یاد کرتے تھے۔ عجم یاد کرنے کے لیے تحریر و تسوید کے محتاج تھے اور جب کوئی شئے احاطہ تحریر میں لائی جاتی ہے تو اس میں ترتیب از خود بھی پیدا ہو جاتی ہے اور ترتیب و تدوین میں تکمیل بھی آسان ہو جاتی ہے۔ چنانچہ عجمیوں کے کثرت سے اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے علوم اسلامیہ میں ترتیب و تدوین کا آغاز ہوا اسی جانب علامہ ابن خلدون نے اشارہ کیا۔

"والسبب فی ذالک ان الملة فی اولها لم یکن فیها علم ولا صناعة لمقتضی احوال السذاجة والبداوة وانما احکام الشریعة التی هی اوامر اللّٰه و نواهیه کان الرجال ینقلونها فی صدورهم .... فلما بعد النقل من لدن دولة الرشید، احتیج الی وضع التفاسیر القرآنیه و تقیید الاحادیث مخافة ضیاعه" (۱)

(اور اس میں سبب یہ کارفرما تھا کہ ملت اسلامیہ میں قرن اول میں علم اور صنعت و حرفت سے دلچسپی نہ تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ عرب طبعی طور پر سادہ اور صحرانشین مزاج کے مالک تھے۔ جہاں تک احکام شرعیہ کا تعلق ہے، وہ سینہ بسینہ نقل ہو رہے تھے۔ ہارون الرشید اور اس کے بعد کے زمانہ میں ضرورت محسوس ہوئی اس بات

کی کہ آیات قرآنیہ کی تفاسیر مرتب کی جائیں اور احادیث کو احاطہ
تحریر میں لایا جائے تاکہ وہ ضائع ہونے سے بچ جائیں)

جب کسی علم کو ترتیب و تدوین سے آراستہ کیا جاتا ہے تو اس کی مختلف انواع و اقسام سامنے آتی ہیں۔ بقول ابن الملقن جب علوم حدیث کی تدوین کا مرحلہ سامنے آیا صرف اصول حدیث کی انواع دو سو سے زائد تھیں۔ (۲)

اسی طرح علم تفسیر کی تدوین و ترتیب کا مرحلہ آیا تو اس کی بھی مختلف انواع واقسام سامنے آئیں اور باہم دیگر رجحانات کا انکشاف ہوا، کسی نے تفسیر کی بنیاد محض آیات قرآنیہ، اقوال نبی کریمؐ اور آثار صحابہ پر رکھی، کسی نے اپنی تفسیر کی اساس مسائل فقہیہ کو بنایا، کسی نے توضیح قرآن کریم کے لیے لغت کا سہارا لیا۔ کسی نے فلسفیانہ موشگافیوں، عقل اور رائے کو اس میں داخل کیا کسی نے تصوف کی راہ سے اس منزل کو پانے کی کوشش کی اود کسی نے نظم قرآنی کی زنجیر کو اپنے لیے راہ سفر بنایا، غرضیکہ ہر گل را رنگ و بوئے دیگر است کا مصداق، مختلف انواع اور متفرق رجحانات سامنے آئے جس نے تحقیق و جستجو اور تدوین و ترتیب کے لیے سنگ اساس کا کام کیا۔

اس باب میں ۱٤۱ھ تا ۱۳۰۰ھ/ ۷۵۸ء تا ۱۸۸۲ء ساڑھے گیارہ سو سال کے عرصہ میں پائے جانے والے تفسیری رجحانات پر بحث ہوگی۔ اور ان کی چند نمائندہ تفسیروں اور مفسرین پر گفتگو ہوگی، ہر مفسر یا ہر تفسیر کا تذکرہ طوالت کو دعوت دینے والا ہوگا البتہ یہ فقیر جن خوانہائے نعمت سے خوشہ چینی کرے گا قارئین کو ان سے آگاہ کر دے گا کہ تفصیل کے طلب گار اصل منابع سے مراجعت کر سکیں۔

۱۔ حجتہ الوداع کے موقع پر بارگاہ الٰہی کی طرف سے تکمیل دین کا واضح اعلان کر دیا گیا اور نبی کریم ﷺ نے خطبہ حجتہ الوداع میں امت کو دو پیغام دیئے۔

الف) میں دو چیزیں تم میں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک ان پر اپنی زندگی استوار رکھو گے، گمراہ نہ ہوگے وہ دو چیزیں اللہ کی کتاب اور اس کے نبیؐ

کی سنت ہیں۔

ب) جو لوگ موجود ہیں، وہ غیر حاضر لوگوں کو میرا پیغام پہنچا دیں۔

۲۔ دین متین، اس کی بنیادی و اساسی تعلیمات اور نظام زندگی کا خلاصہ امت کے سامنے اس طرح رکھا گیا کہ جبرئیل امین ایک اجنبی شخص کے روپ میں آئے اور آپ سے سوالات کیے، آپ نے چاروں کے جوابات دیئے اور جبرئیل امین کے جانے کے بعد فرمایا۔

"اتاکم جبریل یعلمکم دینکم" (۳)

حضرت جبرائل امین کے چار سوالات اور نبی کریمؐ کی جانب سے ملنے والے جوابات سے علوم قرآنیہ و نبویہ کی چار شاخیں سامنے آئیں۔

الف) ایمان کے جواب کی روشنی میں علم کلام و علم عقائد معرض وجود میں آیا۔

ب) اسلام کے جواب میں علم الاحکام، فقہ اور اصول فقہ معرض وجود میں آئے۔

ج) احسان کے جواب کی بنیاد و اساس پر علم تصوف کا ظہور ہوا۔

د) علامات قیامت کے جواب کے نتیجہ میں علم الفتن منصۂ شہود پر آیا۔

۳۔ عہد تابعین کے تفسیری امتیازات میں یہ بات ذکر کی گئی کہ تابعین نے علم تفسیر میں عبداللہ بن عباسؓ، ابی بن کعبؓ، اور عبداللہ بن مسعودؓ سے استفادہ کیا، ابن عباسؓ تفسیری نکات، قرآن کی آیات اور اس کے الفاظ میں چھپے معانی پر غور و خوض میں مہارت رکھتے تھے۔ جب کہ ابی بن کعبؓ کا میدان تلفظ و قراءت تھا اور ابن مسعودؓ فقہی استخراج و استنباط میں مہارت رکھتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مذکورہ حقائق، صحابہ کرامؓ کے یہ میلانات اور تابعین عظام کے اندر پائے جانے والے ان کے اثرات کا نتیجہ یہ ہوا عہد تدوین میں مختلف رجحانات تفسیر سامنے آئے۔ ان رجحانات کو حسب ذیل تعبیرات میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

(الف) تفسیر بالماثور

(ب) تفسیر بالرای المحمود

(ج) تفسیر بالرای المذموم

(د) تفسیر صوفیاء

(ھ) تفسیر فلاسفہ

(و) تفسیر فقہاء

(ز) تفسیر بالعلوم

تفسیر بالماثور

عہد تدوین کے ابتدائی دور میں تفسیر کوئی مستقل علم نہ تھا بلکہ علم حدیث کا حصہ تھا۔ علم حدیث کی تدوین کرنے والوں نے روایات تفسیر بالماثور کی شکل اختیار کر گئی کہ قرآن کریم کی تفسیر میں رائے اور اجتہاد کو قطعاً دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ قرآن کریم کی آیت کی تفسیر اگر کسی دوسری آیت سے ہو رہی ہے تو اس کی وضاحت کر دی گئی، نبی کریمؐ کے وہ اقوال نقل کر دیئے گئے جو کسی آیت کی توضیح وتشریح یا شان نزول کے متعلق تھے۔ آثار صحابہ نقل کر دیئے گئے تفسیر میں صحابہ کے اقوال بھی بمنزلہ مرفوع روایت کے ہوتے ہیں کہ صحابہ نے نبی کریمؐ سے براہ راست استفادہ کیا، آپ کی حیوۃ مبارکہ، سیرۃ مطہرہ اور عادات جلیلہ کا بغور مطالعہ کیا، نبی کریم ﷺ نے ان حضرات کی حسن تربیت فرمائی اسی وجہ سے تفسیر کے معاملہ میں صحابہ کا قول مرفوع روایت کے حکم میں ہے کیونکہ صحابہ سے یہ بات ممکن نہیں کہ انہوں نے تفسیر قرآن کرتے ہوئے، مزاج نبوت، قرآن کریم کے اسلوب اور اسلام کے مجموعی مذاق کو مدنظر نہ رکھا ہوگا۔ (٤)

انواع تفسیر میں یہ نوع سب سے اعلیٰ تصور کی جاتی ہے لیکن اس نوع میں

بقول سیوطی اس بات کی احتیاط کرنی چاہئے کہ ضعیف روایات اور موضوع احادیث سے احتراز کیا جائے، صرف مستند، ثقہ اور قابل اعتماد راویوں سے روایات نقل کی جائیں۔ (۵)

عہد صحابہؓ اور عہد تابعین میں پائے جانے والے بعض تفسیری صحیفے بھی اسی نوع میں داخل ہیں البتہ وہ قرآن کریم کی ترتیب نزول کے مطابق مرتب نہیں اور نہ ہی مکمل قرآن کریم سے متعلق روایات یک جا ملتی ہیں۔

اس ضمن میں سب سے پہلا مجموعہ تفسیر علی بن ابی طلحہ کا شمار کیا جاتا ہے اگرچہ بعض مشائخ رجال کو ابن ابی طلحہ کی (م ۱۴۳ھ/۷۶۰ء) ان روایات کے بارہ جن کے متعلق وہ یہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے سنی ہیں، شبہ ہے کہ ابن عباسؓ سے ان کا سماع ثابت ہے یا نہیں بلکہ وہ تمام روایات انہوں نے مجاہد اور جبیر سے نقل کی ہیں۔ (٦)

البتہ امام بخاری نے ابن ابی طلحہ پر اعتماد کیا ہے جیسے کہ گزشتہ اوراق میں گزر چکا۔ (۷) محمد بن ثور نے ابن جریج سے تین بڑے بڑے اجزاء پر مشتمل روایات تفسیر نقل کی ہیں۔ علاوہ ازیں شبل بن عباد المکی، عطاء بن دینار، ابی ورق، اسباط بن نصر، مقاتل بن سلیمان (م ۱۵ھ) کے مجموعہائے تفسیر قابل ذکر ہیں۔ (۸)

ان حضرات میں سے کچھ کی تفسیری روایات ابن جریر اور ابن کثیر نے نقل کی ہیں۔ (۹)

ایسی مکمل تفاسیر جو ہم تک پہنچی ہیں ان میں سب سے پہلی تفسیر ابن جریر الطبری کی جامع البیان فی تفسیر القرآن قرار دی جاتی ہے۔ اس نوع کی چند نمائندہ تفاسیر کا جائزہ لیا جائے گا، ان کا تعارف پیش کیا جائے گا۔ اس نوع کی تفاسیر کے جائزہ میں سب سے زیادہ اہم امر کتاب میں منقولہ روایات کے راویوں اور ان کی اسناد پر بحث ہوگی جس سے یہ اندازہ ہوگا کون سی کتاب ضعاف اور موضوع روایات سے پاک ہے اور کون سی کتاب میں کثرت سے ضعیف روایات موجود ہیں۔

جامع البیان فی تفسیر القرآن ۔ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری

(۲۲۴ھ ۔ ۳۱۰ھ/ ۸۳۸ء ۔ ۹۲۲ء)

علامہ طبری ...... حالات زندگی۔

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری کا ممتاز مفسر اور فقیہ و مورخ کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ آپ ۲۲۴ھ کے آخر یا ۲۲۵ھ/۸۳۹ء کے اوائل میں صوبہ طبرستان کے پائے تخت آمل میں پیدا ہوئے آپ کے والد صاحب ثروت تھے لیکن آپ کو مال و دولت یا جاہ و منصب سے کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ بچپن ہی سے حصول علم کا ذوق، تحقیق کا جذبہ اور کتب سے لگن تھی، یہی وجہ تھی کہ آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرلیا، حفظ قرآن کی تکمیل کے بعد آپ طلب علم کے لیے مختلف مقامات جن میں بصرہ و کوفہ خصوصاً قابل ذکر ہیں، کی سیاحت کرتے ہوئے بغداد میں مقیم ہوگئے۔ بغداد میں آپ نے امام احمد بن حنبل سے استفادہ کیا لیکن ابھی کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ امام احمد کا انتقال ہوگیا۔، امام کے انتقال کے بعد آپ کوفہ آگئے کوفہ میں قیام کے دوران آپ کی زیادہ دلچسپی علم حدیث کی طلب کی طرف رہی چنانچہ یہاں آپ نے ھناد بن السری اور اسمٰعیل بن موسیٰ سے علم حدیث سے شرف تلمذ حاصل کیا، خلاد الطلحی سے علم القرءت میں مہارت حاصل کی ان کے علاوہ آپ نے ابو کریب محمد بن العلاء الھمزانی سے ایک لاکھ احادیث کا سماع کیا اور ان کی اجازت حاصل کی۔

پھر طلب علم کی خواہش آپ کو کشاں کشاں مصر لے گئی اور مصر میں آپ نے فقہ شافعی کے عالم ربیع اور مزنی سے کسب فیض کیا۔ ۸۷۱ء یا ۸۷۲ء / ۲۵۸ھ میں آپ بغداد آگئے، اس وقت آپ کی شہرت ایک محقق اور متبحر عالم کی حیثیت سے ہوچکی تھی، آپ نے تحقیق و تالیف اور درس و تدریس میں یکسوئی حاصل کرنے کی خاطر دیگر ملاقاتوں اور سفر کا سلسلہ منقطع کر دیا حتی کہ ایک مرتبہ آپ کو قضا کی پیش کی گئی لیکن آپ نے اسے اپنی تصنیف و تالیف کی زندگی میں ایک حارج سمجھا اور

قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

علامہ ابن جریر الطبری کی مولفات کے صفحات کی تعداد کو اگر ان کی زندگی کے کل ایام پر تقسیم کیا جائے تو علامہ اوسطاً چالیس صفحات روزانہ تالیف کرتے تھے۔(۱۰)

آپ ماہر علوم وفنون تھے، تفسیر قرآنی، حدیث، فقہ، نحو اور ریاضی کے ماہر تھے اور بقول حموی آپ کو ہر فن پر ایسی دسترس حاصل تھی کہ گویا آپ نے ساری زندگی اسی فن کی تحقیق میں گزاری ہے۔(۱۱)

۳۱۰ھ/۹۲۲ء میں آپ کی وفات ہوئی۔(۱۲)

آپ کی زیادہ مقبول عام تصانیف میں تاریخ الامم اور جامع البیان ہیں جو تاریخ اسلامی اور تفسیر قرآن میں بنیادی مصدر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

جامع البیان ......تعارف

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری کی یہ تفسیر نہ صرف ماثور تفاسیر میں بلکہ ایسی مکمل تفاسیر میں جو ہم تک پہنچی ہیں، اولین تفسیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ علامہ طبری نے تفسیر وتوضیح آیات کے سلسلہ میں جس طرح روایات جمع کی ہیں ان سے قبل کوئی اس کی نظیر پیش کر سکتا تھا اور نہ ان کے بعد اس کی کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔

اسلوب

طبری کا تفسیری اسلوب یہ ہے کہ آیت یا اس کے ٹکڑے سے پہلے "القول فی تاویل قولہ جل ثناءہ" کے الفاظ یا اسی کے ہم معنی دوسرے الفاظ تحریر کرتے ہیں، پھر آیت یا اس کا حصہ نقل کرتے ہیں۔ آیت کو نقل کرنے کے بعد "قال ابو جعفر" سے تفسیر کی ابتداء ہوتی ہے۔ ابتداء میں مختصراً ربط آیت بیان کیا جاتا ہے، ضمائر کے مراجع اگر ضرورت ہو تو بیان کیے جاتے ہیں۔ مختصر لغوی تشریح کی جاتی ہے اور اس کے بعد اس آیت کی تفسیر وتوضیح میں وارد مرفوع احادیث، اقوال صحابہ یا تابعین نقل کیے جاتے ہیں۔ سند میں اس بات کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ صرف ایسے راویوں سے

روایت نقل کی جائے کہ جن پر ائمہ جرح و تعدیل کی جانب سے جھوٹ کی تہمت نہ لگائی گئی ہو۔ (۱۳)

بعض آیات کی تفسیر میں متعدد اقوال بھی نقل کیے گئے ہیں۔ مثلاً سورۃ بقرہ کی یہ آیت:

"فذبحوها وما كادوا يفعلون" (١٤)

اس آیت کی توضیح میں صحابہ کے سولہ اقوال نقل کیے ہیں۔ (۱۵)

بعض مقامات پر آپ نے اقوال میں سے کسی ایک کو صراحتہً ترجیح بھی دی ہے۔ لیکن عموماً ان کا اسلوب یہ ہے کہ جو روایت سب سے زیادہ راجح ہو، اس کو سب سے پہلے نقل کرتے ہیں۔ بعض مقامات پر سند پر بھی بحث کرتے ہیں اور جا بجا لطیف استنباطات بھی موجود ہیں۔ (۱۶)

اسنادِ طبری کی استنادی حیثیت

علامہ سیوطی کے مطابق آپ نے جن اسناد سے روایات نقل کی ہیں، ان کی صحت پر علماء کا اتفاق ہے اور آپ کے ہم عصر علماء اس بات پر متفق ہیں کہ جو تحقیق طبری نے تفسیر میں کی ہے، آپ کے سوا اور کوئی نہیں کرسکتا۔ (۱۷) ابو حامد اسفرائینی فرماتے ہیں کہ:

"اگر کوئی شخص صرف تفسیر ابن جریر الطبری پڑھنے کے لیے چین کا سفر کرے تو کوئی مذائقہ نہیں" (۱۸)

سیوطی ابو محمد فرغانی کا قول نقل کرتے ہیں۔

"طبری حق بات کے کہنے میں کبھی کوئی باک محسوس نہیں کرتے اگرچہ اس عادت کی وجہ سے انہیں بڑی تکالیف کا سامنا ہوا" (۱۹)

اسرائیلی روایات

علامہ طبری نے قصص و واقعات میں کعب احبار، ابن جریج، سدی، وھب بن منبہ سے روایات نقل کی ہیں۔ جامع البیان میں اگرچہ بکثرت اسرائیلی روایات موجود ہیں لیکن واقعات کے صرف ان اجزاء میں جہاں قرآن حکیم خاموش ہے، یعنی علامہ نے اہل کتاب سے استفادہ میں ان اُصولوں کو مدنظر اور ان حدود کو محفوظ رکھا ہے، عہد صحابہ میں جن پر خطوط لگائے گئے تھے۔

رافضیت

علامہ طبری پر دوسرا اعتراض رافضیت لگایا جاتا ہے۔ طبری کی تاریخ الامم الملوک میں تو رافضیت کی بو آتی ہے لیکن تفسیر میں کہیں اس بات کا احساس نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ اگر متقدمین نے طبری پر رافضیت کا الزام لگایا ہے تو اس تحقیق کی ضرورت ہے کہ ان متقدمین کے زمانہ میں رافضیت کا مفہوم کیا تھا، وہ طریقہ زندگی تھا، جس کو رافضیت سے تعبیر کیا جاتا تھا، محض اس الزام کو دیکھ کر کسی کو مردود الروایہ نہیں کہا جا سکتا۔

تفسیری مسلک

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا، علامہ طبری کی جامع البیان تفسیر بالماثور کی فہرست میں داخل ہے، علامہ تفسیر میں کسی کی رائے کی دخل اندازی کے سخت مخالف تھے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ تفسیر کے معاملہ میں رائے محمود و مذموم کی کسی تقسیم کے قائل نہیں تھے۔ طبری نے تفسیر بالماثور کی حمایت میں مقدمہ میں پانچ مرفوع احادیث اور سولہ اقوال صحابہ نقل کیے ہیں علامہ ازیں آپ نے اس سلسلہ میں ان دلائل کا سہارا بھی لیا ہے۔ (۲۰)

۱۔ قرآن کریم لغت قریش پر نازل ہوا ہے اور اسی لغت پر اس کی متواتر تلاوت ہے۔ لہذا قریش ہی کی تشریحات قابل قبول ہیں اور قریش میں

نبی کریم ﷺ یا آپ کے صحابہ کی تشریحات معتبر ہیں۔

۲۔ قرآن کریم کی آیات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

الف) احکام

ب) متشابہات

د) قصص و واقعات

احکام سے مراد تمام معاملات، اخلاقیات اور عبادات ہیں، یہ تمام امور انسان اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے حاصل کرتا ہے اور بفحوائے ارشاد الٰہی، اللہ کی رضا اطاعت رسول میں مضمر ہے لہذا احکام کے معاملہ میں قرآن حکیم کی وہی تشریحات معتبر ہیں جو نبی کریمؐ سے منقول ہیں۔ متشابہات میں انسان عقل کے گھوڑے نہیں دوڑا سکتا لہذا وہاں بھی صرف نبوی تشریحات کا ہی اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ قصص و واقعات کے لیے مصدر کوئی آسمانی کتب ہی ہوسکتی ہے، صحف سماوی سابق تحریفات کا شکار ہو کر اعتبار سے ساقط ہیں لہذا وہ قابل اعتبار نہیں۔" (۲۱)

علامہ کے ان دلائل سے محسوس ہوتا ہے کہ علامہ رائے کو محمود و مذموم میں تقسیم کیے بغیر تفسیر میں داخل کرنیکے قطعاً قائل نہیں۔ متشابہات اور واقعات و قصص میں طبری کی یہ رائے بالکل درست ہے لیکن احکام کے معاملہ میں اجتہاد اور رائے کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کریم سے استنباطات کے لیے بہرکیف رائے کی ضرورت رہی ہے اور خود علامہ طبری نے بھی بعض مواقع پر لطیف استنباطات کیے ہیں۔ یہ استنباطات بہرحال رائے محمود میں ہی آتے ہیں۔

علامہ طبری کی یہ تفسیر "ام التفاسیر" ہے۔ بعد کی کم و بیش تمام تفاسیر میں اس سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کو بلاشبہ روایات تفسیر کا دائرہ معارف کہا جاسکتا ہے، کاش کوئی تحقیقی ادارہ یا محققین کی کوئی جماعت اس کی تدوین و تعلیقات، تخریج احادیث اور فہارس سازی کی طرف متوجہ ہو تو دین و علم کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔

الکشف و البیان عن تفسیر القران، ابواسحٰق احمد بن ابراہیم الثعلبی النیشابوری

(م ۴۲۷ھ/۱۰۳۵ء)

ابو اسحٰق پانچویں صدی ہجری کے عظیم مفسرین اور ادباء میں شمار ہوتے ہیں۔ ابو طاہر بن خزیمہ اور ابوبکر بن مہران سے آپ نے کسب فیض کیا۔ ابوالحسن الواحدی تفسیر میں آپ کے شاگرد ہیں۔ ابن خلکان نے آپ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کی تفسیر ایک منفرد تفسیر ہے جو دوسری تفاسیر پر فوقیت رکھتی ہے۔(۲۲)

حموی نے معجم البلدان میں آپ کی تفسیر کی تحسین کی ہے۔(۲۳)

آپ نے کثیر تعداد میں محدثین سے بکثرت استفادہ کیا ہے۔ (٤٢٧ھ/١٠٣٥ء) میں آپ نے وفات پائی۔ (٢٤)

الکشف والبیان کا شمار چوتھی صدی کی تفسیر بالماثور میں ہوتا ہے آپ بکثرت احادیث مرفوعہ اور روایات ماثورہ نقل کرتے ہیں لیکن طبری کی طرح ہر روایت کی سند نہیں نقل کرتے بلکہ آپ نے مقدمہ میں اپنی اسناد ایک ہی جگہ نقل کر دی ہے۔

ثعلبی نے مقدمہ میں مفسرین کو چھ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ اہل بدعت اور ھواء جیسے جبائی اور امانی
۲۔ بعض لوگوں نے اچھی تفسیریں لکھی، اہل بدعت کے باطل نظریات کی تردید اور سلف صالحین کے اقوال کو ملا دیا، جیسے ابوبکر القفال۔
۳۔ صرف روایت پر انحصار، نقد و درایت سے صرف نظر، جیسے ابو یعقوب اسحٰق بن ابراہیم۔
٤۔ اسانید حذف کر دیں اور روایات کی شکل میں سب رطب و یابس جمع کر دیا۔
٥۔ کثرت طرق اور روایات سے جدت پیدا کی اور طویل تفاسیر مرتب کیں جیسے ابن جریر۔

٦۔ بعض نے احکام حلال وحرام پر مجاہد، سدی اور کلبی کے طرز پر کتب لکھیں۔
علم تفسیر میں ان کثیر انواع کے باوجود کوئی جامع اور مرتب تفسیر موجود نہ تھی، اور ایسی ایک تفسیر کی ضرورت اس زمانہ میں محسوس کی جارہی تھی چنانچہ ثعلبی نے تقریباً سو کتب اور تین سو مشائخ سے استفادہ کرکے جو علوم حاصل کیے، ان کا جوہر اور نچوڑ اس کتاب کی شکل میں قاری کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے اپنی تفسیر میں چودہ موضوعات پر گفتگو کی ہے۔ (٢٦)
اصول، عدد و تنزلات، قصص، وجوہ قرات، علل و دلائل، عربیت و لغت، اعراب و موازن، تفسیر و تاویل، معانی و جہات، غوامض و مشکلات، احکام و مسائل، حکم و ارشادات، فضائل و کرامات اور تاریخی واقعات کو آپ نے موضوع بحث بنایا ہے۔

غرضیکہ بقول ابن خلکان۔

"آپ کی کتاب علم تفسیر میں یکتا تفسیر ہے جو باوجود تاخیر زمانی کے رتبہ کے لحاظ سے دوسری تفاسیر پر مقدم ہے۔" (٢٧)

حموی لکھتے ہیں۔

"آپ کی تفسیر معانی و ارشادات کے منفرد انواع پر مشتمل ہے مختلف دقیق حقائق اور وجوہ اعراب وقرءت پر آپ نے بخوبی بحث کی ہے۔" (٢٨)

آپ روایت کے نقل کے وقت سند نقل کرتے ہیں اور نہ ہی روایت پر کوئی جرح وتعدیل۔ ذھبی نے ثعلبی کی کتاب کے متعلق لکھا ہے جس کا خلاصہ اس طرح ہے۔

"ثعلبی کی یہ کتاب علوم و معارف کا مجموعہ ہے، اس میں نحوی قواعد و ضوابط اور حروف عاملہ کے فرق پر بعض مقامات پر بڑی لطیف بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح بعض جگہ قواعد نحویہ اور اس کے اشتقاقات پر بحث ہے، کہیں لغوی لطائف بھی بیان کیے گئے ہیں، آیات احکام کی توضیح وتشریح کے ضمن میں مسائل فقہیہ، فقہی اختلافات اور ان کے

دلائل و وجوہ ترجیح بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ البتہ قصص و واقعات میں بعض اسرائیلی روایات کے علاوہ فضائل سور میں بعض بہت ضعیف اور موضوع احادیث کا سہارا لیا گیا ہے اور ان کے ضعیف یا موضوع ہونے کی تصریح بھی نہیں کی۔" (۲۹)

ذھبی نے اپنی اس تنقید میں مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ ابن تیمیہ اور کتانی کی آراء بھی نقل کی ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں۔

"ضعیف اور موضوع روایات کی اس کثرت کے باوجود ثعلبی اپنے مقدمہ میں ہر مفسر پر کڑی تنقید کرتے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے ابن جریر الطبری کی کتاب کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔" (۳۰)

معالم التنزیل ۔ ابو محمد الحسین بن محمد البغوی م ۵۱۶ھ/۱۱۲۲ء

ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد البغوی خراسان کے "بلخ" ایک روایت کے مطابق "بغشور" نامی ایک شہر میں جمادی الاول ۴۳۳ھ/۱۰۴۱ء میں پیدا ہوئے۔ (۳۱)

اسی نسبت سے بغوی کے نام سے معروف ہیں۔ آپ ایک علمی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے، بچپن ہی سے حصول علم کا شوق دل میں تھا، چنانچہ ۴۶۰ھ/۱۰۶۷ء میں آپ " مرو الروز" آگئے وہاں آپ نے کبار اہل علم سے استفادہ کیا۔ بردی کے مطابق آپ نے حصول علم کے لیے مختلف مقامات کے سفر کیے۔ (۳۲)

حصول علم کے بعد آپ تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں مشغول رہے تا آنکہ ۵۱۶ھ/۱۱۲۲ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ (۳۳)

علامہ سیوطی آپ کے متعلق لکھتے ہیں۔

"کان اماماً فی التفسیر، اماماً فی الحدیث، اماماً فی الفقہ" (۳۴)

(آپ تفسیر، حدیث اور فقہ میں امام کی حیثیت رکھتے ہیں)

کم و بیش پندرہ کتب کے مصنف ہیں جن میں سے معالم التنزیل، مصابیح السنہ اور شرح السنہ زیادہ معروف ہیں۔

معالم التنزیل

بغوی کی کتاب معالم التنزیل تفسیر بالماثور میں ایک امتیازی مقام رکھتی ہے۔ ضخامت کے اعتبار سے متوسط تفسیر ہے جو زیادہ طویل ہے نہ بہت زیادہ مختصر۔ سنت رسول کے ذریعہ تفسیر کے بیان میں معالم التنزیل ان چند کتب میں سے ہے، امت مسلمہ کو جن پر فخر ہو سکتا ہے۔

اسلوب

۱۔ بغوی کا اسلوب بیان عمدہ ہے، آپ خوبصورت الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں اور آپ کا انداز بیان فصاحت و بلاغت کا حامل ہوتا ہے۔

۲۔ تفسیر کے لیے مراجع کی جو ترتیب آپ نے متعین کی ہے وہ یہ ہے۔

(الف) سب سے پہلا ماخذ تفسیر القرآن بالقرآن ہے، قرآن کی ہی ایک آیت بعض دوسرے مقامات کی توضیح و تفسیر کرتی ہے، بعض اوقات قرءت کا اختلاف بھی مفہوم سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

(ب) قرآن کریم کے بعد دوسرا ماخذ نبی کریم ﷺ کے اقوال و اعمال ہیں، قبول روایات کے سلسلہ میں بغوی اگرچہ احتیاط سے کام لیتے ہے لیکن بعض مقامات پر انہوں نے بعض ضعیف اور باطل روایات بھی نقل کی ہیں۔ (۳۵)

(ج) تیسرا ماخذ صحابہ کرام، تابعین عظام اور مجتہدین کبار کے اقوال ہیں۔ بغوی مرفوع روایت تو سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں البتہ آثار صحابہ و تابعین کے لیے سند بیان نہیں کرتے۔

(د) اسباب نزول تفسیر کے لیے بغوی کے ہاں چوتھا ماخذ شمار ہوتا ہے۔

(ھ) آخری درجہ میں بغوی لغت عربی سے بھی مدد لیتے ہیں۔

۳۔ جہاں ضرورت ہو آیات سے متعلق فقہی احکام بھی نقل کرتے ہیں۔
٤۔ اختلاف کی صورت میں سلف کا اختلاف نقل کرتے ہیں لیکن کسی رائے کو ترجیح نہیں دیتے اور اس میں اشارہ اس جانب ہوتا ہے کہ آیت تمام معانی کا احتمال اپنے اندر رکھتی ہے۔
٥۔ بعض لطیف نکات اور استنباطات کرتے ہیں جس سے معنی سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

آپ کی تفسیر سلف کے رجحانات کا بہترین نمونہ اور خلف کے لیے ایک رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔

تفسیر القرآن العظیم، ابوالفداء اسمعیل بن عمرو بن کثیر البصری الدمشقی

(م ٧٧٤ھ / ١٣٧٢ء)

علامہ ابن کثیر بصرہ میں پیدا ہوئے، ابھی سات برس عمر تھی کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ اپنے بھائی کے ہمراہ دمشق آگئے۔ دمشق میں ہی آپ نے ابتدائی تعلم کے بعد وقت کے مایہ ناز محدثین ومفسرین ابن الشحینہ، آمدی، ابن عساکر وغیرہ سے استفادہ کیا۔ ابن تیمیہ کے آپ خصوصی شاگرد تھے۔ ٧٧٤ھ/١٣٧٢ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ (٣٦)

تفسیر

علامہ ابن کثیر کی تفسیر کتب تفسیر میں عموماً اور تفسیر بالماثور میں خصوصاً سب سے زیادہ قبول عام رکھتی ہے۔ ابن کثیر نے مقدمہ تفسیر میں تفسیر کے ماخذ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ہر ماخذ کی مصدریت پر قرآن وسنت سے دلائل بھی دیئے ہیں۔ ابن کثر نے طویل بحث میں جو مصادر ذکر کیے ہیں ان کی ترتیب اس طرح ہے۔

تفسیر القران بالقرآن۔ قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر کے لیے سب

سے پہلے خود قرآن کی دیگر آیات کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

۲۔ اگر قرآن کریم میں تفسیر نہ ہو تو پھر نبی کریمؐ کی سنت مطہرہ سے تشریح طلب کرنی چاہیے کیونکہ سنت شرح قرآن ہے۔

۳۔ اگر قرآن وسنت دونوں میں نہ ہو تو آثار صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا کہ صحابہ کے سامنے وحی کا نزول ہوا، انہوں نے ان قرائن اور احوال کا بچشم خود مشاہدہ کیا جو قرائن و احوال کسی آیت کے نزول کا پس منظر اور اس کے فہم کی بنیاد بن سکتے ہیں۔

٤۔ اگر آثار صحابہ میں بھی کوئی رہنمائی حاصل نہ ہو تو پھر کبار تابعین کے اقوال کو دیکھا جائے گا۔ (۳۷)

علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر کو اسی منہاج پر مرتب کیا ہے۔ ماثور تفسیر میں آپ کی تفسیر سب سے زیادہ ثقہ اور قابل اعتماد سمجھی جاتی ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ البدایہ والنھایہ اور تفسیر میں جن رجال سے روایات نقل کی ہیں، عام طور پر تذکرہ نگاروں اور ائمہ اسماء الرجال نے انکی تعدیل وتوثیق کی ہے۔ مزید یہ کہ آپ کو روایت کی جانچ، راوی کے احوال اور درایت پر مہارت حاصل ہے اور کسی روایت کو پرکھنے کے لیے آپ ان تینوں جانبوں سے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔ سند پر جرح و تعدیل بھی کرتے ہیں۔ اس طرح اگر کوئی روایت ضعیف نقل بھی ہوتی ہے تو اس کا ضعف واضح ہو جاتا ہے۔ علامہ ابن کثیر کی یہ کتاب عہد قدیم کو عہد جدید سے ملانے کے لیے ایک رابطہ کا کام کرتی ہے کہ جو عہد قدیم کے طرز و اسلوب پر مرتب کی گئی ہے لیکن جدید عہد کی جھلک بھی کہیں کہیں نظر آتی ہے۔

جامعہ ملک عبدالعزیز مکہ مکرمہ کے استاد شیخ محمد علی الصابونی نے تفسیر ابن کثیر کا اختصار اور اس کی تحقیق کی ہے۔ (۳۸)

الدر المنثور فی التفسیر بالماثور۔ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی

(۸۴۹ھ - ۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵ء - ۱۵۰۵ء)

علامہ سیوطی کا شمار دسویں صدی ہجری کے محققین میں ہوتا ہے۔رجب ۸۴۹ھ/۱۴۴۵ء میں پیدا ہوئے۔ابھی عمر پانچ سال اور سات ماہ تھی کہ والد ماجد اس دارفانی سے رخصت ہوگئے، آٹھ سال کی عمر میں آپ نے حفظ قرآن کریم مکمل کر لیا، صغرسنی میں ہی آپ نے احادیث کے بکثرت متون یاد کر لیے تھے۔ علماء و مشائخ کی کثیر تعداد سے آپ نے استفادہ کیا۔علامہ داؤدی آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ (۳۹)

الدرالمنثور

الدالمنثور ماثور تفاسیر میں نمایاں مقام رکھتی ہے، آپ نے عبد بن حمید، بخاری، مسلم ترمذی، ابوداؤد، نسائی، حاکم اور طبرانی سے روایات نقل کی ہیں۔ جا بجا اختصار کے ساتھ روایت کے متعلق ائمہ کی آراء بھی نقل کی ہیں۔ مثلاً امام بخاری کی ایک حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا۔

"واخرج البخاری فی جزء التراجم بسند ضعیف
جلد٦(٤٠)

آپ کی تفسیر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ دیگر ماثور تفاسیر کے مقابلہ میں مرفوع روایات اس میں زیادہ ہیں۔

تفسیر بالرای المحمود

عہد تدوین کے انواع تفسیر میں دوسری قسم تفسیر بالرائی المحمود کہلاتی ہے۔ جس میں روایات کی روشنی میں آیات قرآنیہ کی توضیح وتفسیر کے لیے رائے کا بھی سہارا لیا جاتا ہے لیکن یہ رائے روایات مرفوعہ اور آثار صحابہ کی روشنی میں قائم ہونے

والے اصولوں کی بنیاد پر اور ان کی طرف سے قائم کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے قائم کی جاتی ہے۔ جس سے قرآن کریم کی بنیادی تعلیم متاثر ہوتی ہے اور نہ ہی وہ مجموعی تاثر پامال ہوتا ہے جو ان روایات سے قائم ہوتا ہے۔ اس رائے میں کسی ذاتی غرض کو دخل ہوتا ہے اور نہ ہی انفرادیت قائم کرنے کے ارادہ کو اس میں دخل ہوتا ہے۔

تفسیر بالرای المحمود کا آغاز امام فخر الدین رازی م ۶۰۶ھ کی کتاب مفاتیح الغیب سے ہوتا ہے اور پھر بیضاوی، محلی اور سیوطی سے ہوتا ہوا آلوسی تک پہنچا ہے۔ ہم اس نوع کی تفاسیر میں سے ہر صدی کی ایک تفسیر پر تبصرہ کریں گے تاکہ اجمالاً اس نوع کا ایک مجموعی تصور سامنے آجائے۔

مفاتیح الغیب۔ ابوعبداللہ محمد بن عمر حسین القرشی الطبرستانی شافعی

(۵۴۴ھ-۶۰۶ھ/۱۱۴۹ء- ۱۲۰۹ء)

فخر الدین ابوعبداللہ محمد بن عمر ۵۴۴ھ/۱۱۴۹ء میں پیدا ہوئے۔ وطن مالوف رے میں اپنے والد خطیب رے، ضیاء الدین عمر سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، والد کی وفات کے بعد کمال سمعانی سے کسب فیض کیا۔ مجد الدین الجیلی سے علوم حکمت و فلسفہ میں مہارت حاصل کی، مختلف اساتذہ سے تفسیر، حدیث اور فقہ کے علوم حاصل کیے۔ آپ کی شخصیت علوم و معارف کا خوبصورت گلدستہ تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، طب، شعر و ادب میں آپ کو کمال دسترس حاصل تھی۔ مفاتیح الغیب کے علاوہ آپ ۶۷ قیمتی کتب کے مولف ہیں، آپ کی تفسیر بھی آپ کی شخصیت کی طرح مختلف علوم کا مجموعہ ہے۔ (۴۱)

مفاتیح الغیب۔

مفاتیح الغیب نامی آپ کی یہ تفسیر علماء و محققین میں تفسیر کبیر کے نام سے معروف ہے آپ نے اپنی تفسیر میں تفسیری نکات کے علاوہ لغوی و کلامی مسائل پر بھی

بحث کی ہے فلاسفہ کے اعتراضات نقل کر کے قرآن و سنت اور عقلی دلائل کی روشنی میں ان کے جوابات بھی دیئے ہیں۔

مسائل فقہیہ پر بھی بحث کی گئی ہے۔ کتاب کی ابتداء میں تعوذ و تسمیہ کی ۱٦٥ صفحات میں تفسیر بیان کی گئی ہے۔(٤٢)

اسلوب۔ اپنی تفسیر میں جو اسلوب آپ نے برقرار رکھا ہے اس کو اس ترتیب سے بیان کیا جاسکتا ہے۔

الف) متن آیت نقل کرنے کے بعد سب سے پہلے لغوی بحث ہوتی ہے۔

ب) لغوی بحث کے بعد معنی و مراد کی تفصیل ہوتی ہے

ج) موقع و محل کی مناسبت سے فقہی یا کلامی مسائل پر گفتگو کی جاتی ہے۔

د) مختلف وجوہ تفسیر کو ذکر کیا جاتا ہے۔

ھ) آخر میں مدلول آیت پر تفصیلی کلام ہوتا ہے۔

اس تفسیر کے مختلف انواع پر مشتمل ہونے کی شہادت حاجی خلیفہ نے بھی دی ہے۔(٤٣)

انوار التنزیل و اسرار التاویل۔ ناصر الدین ابی سعید عبداللہ بن عمر البیضاوی الشافعی (م ٦٨٥ھ/ ١٢٨٥ء)

ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر البیضاوی الشافعی کا تعلق فارس سے تھا۔ آپ شیراز میں قضا کے عہدہ پر فائز رہے پھر آپ تبریز چلے گئے۔ آپ کے تبحر علمی کی وجہ سے آپ کو تبریز کا قاضی بنا دیا گیا۔

آپ بیک وقت علوم قرآن، علم لغت، منطق، فلسفہ، فقہ، اور عقائد و کلام پر دسترس رکھتے تھے۔ تبریز کی قضا کے دوران آپ کی ملاقات شیخ محمد بن محمد الکختائی سے ہوئی ان کی ہدایت پر آپ نے سرکاری عہدہ چھوڑ کر تفسیر لکھنا شروع کی۔ سبکی آپ کے متعلق لکھتے ہیں۔

"كان اماماً مبرزاً نظاراً خبراً صالحاً متعبداً" (٤٤)
(آپ اپنے وقت کے امام، علوم میں گہری نظر اور دسترس رکھنے والے صاحب خیر اور متقی عبادت گزار تھے)

تبریز میں ۶۸۵ھ/ ۱۲۸۵ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ (٤٥)

انوار التنزیل ۔ اسلوب

علامہ بیضاوی کی تفسیر حجم کے لحاظ سے متوسط تفسیر ہے۔ نہ تو بہت زیادہ طویل ہے اور نہ ہی بے حد مختصر۔ آپ نے اس میں تفسیری ماثورات کے علاوہ لغت عربی اور فقہ السنۃ سے بھی بحث کی ہے۔ آپ نے اپنی اس تفسیر میں اعراب، معانی و بیان کی بحث میں کشاف سے، حکمت و کلام میں تفسیر کبیر سے، قواعد عربیہ اور اشتقاقات میں راغب اصفہانی کی مفردات فی غریب القرآن سے استفادہ کیا ہے۔ (٤٦)

ان تفاسیر سے استفادہ کے علاوہ آپ نے از خود بھی بہت لطیف استنباطات کیے ہیں۔ آپ کی یہ تفسیر بیک وقت کئی علوم کا مجموعہ ہے، اس میں تفسیر کے علاوہ، لغت عربی، اعراب و معانی کا بیان، فقہی مسائل پر گفتگو، فلسفہ و کلام کی دقیق بحثیں اور لطیف رموز و اشارات ملتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تفسیر کو قبول عام حاصل ہوا آٹھویں صدی ہجری کے آغاز سے ہی اس پر حواشی لکھے جانے شروع کر دیئے گئے اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

البحر المحیط ۔ اثیر الدین ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان (ابو حیان الاندلسی) (٦٥٤ھ ۔ ٧٤٥ھ / ١٢٥٦ء ۔ ١٣٤٤ء)

اثیر الدین ابو عبداللہ جو ابو حیان کے نام سے معروف ہیں، ۶۵۴ھ/ ۱۲۵۶ء میں غرناطہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اندلس اور افریقہ کے مختلف مشائخ اور علماء سے استفادہ کیا، اسکندریہ اور قاہرہ میں آپ نے عبدالنصیر بن علی المریوطی، ابوطاہر اسمٰعیل

بن عبداللہ المیلحی اور شیخ بہاء الدین بن النحاس سے علوم قرآنی میں کسب فیض کیا بقول ابو حیان

"میرے اور نبی کریمؐ کے درمیان تیرہ واسطوں کا فصل ہے" (٤٧)

تفسیر و حدیث کے علاوہ آپ کو علم صرف و نحو، علم لغت و بلاغت اور علم اسماء الرجال پر گہری دسترس حاصل تھی، تفسیر "البحر المحیط" آپ کی زندگی کا سب سے عظیم کارنامہ ہے۔ ابن عربی علامہ صفدی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"لم اره قط الا يسمع اويشتغل او يكتب او ينظر في كتاب ولم اره على غير ذالك" (٤٨)

(میں نے انہیں جب بھی دیکھا، کسی سے سماع کرتے ہوئے، کسی علمی مشغلہ میں مشغول، کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہی دیکھا، اس کے علاوہ میں نے انہیں کسی حالت میں نہیں دیکھا)

البحر المحیط

ابوحیان کی تالیف کردہ کتاب البحر المحیط آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے، علماء و محققین کے درمیان علم تفسیر میں ایک اہم اور بنیادی مصدر کی حیثیت سے معروف ہے۔ البحر المحیط کی امتیازی خصوصیت الفاظ قرآن کریم کی اعرابی حالت پر بحث ہے قرآن کریم کی نحوی تراکیب کے لیے یہ کتاب بہترین مصدر کی حیثیت رکھتی ہے الفاظ وتراکیب پر بحث کے بعد اسباب نزول پر بحث ہوتی ہے بقول خود ابوحیان۔

"اس کتاب میں جو ترتیب میں نے برقرار رکھی ہے وہ یہ ہے کہ میں آیت کے الفاظ پر علیحدہ علیحدہ گفتگو سے ابتداء کرتا ہوں، اس ضمن میں ترکیب نحوی سے پہلے لغت اور نحوی حیثیت کے اعتبار سے اس پر بحث کرتا ہوں، اگر کسی لفظ کے ایک سے زائد معانی ہیں تو وہ لفظ پہلی مرتبہ جہاں آیا ہے، وہاں اس کے تمام معانی کی وضاحت کر دی گئی ہے تاکہ موقع و محل کے اعتبار سے مناسب معنی کر لیے

جائیں۔
پھر میں اس آیت کی تفسیر اسباب نزول کے بیان سے شروع کرتا ہوں، ناسخ و منسوخ، آیت کی مناسبت اور اس کے ربط اور قرأت کے اختلاف اور اس کے نتیجہ میں معانی کے اختلاف پر بحث ہوتی ہے۔"(۴۹)

ان حقائق کے علاوہ بعض مقامات پر بلاغت عربی کے حوالہ سے، فقہی مسائل کے حوالہ سے اور نحوی مسائل کے حوالہ سے گفتگو ہوتی اور آخر میں آیت سے متعلق احادیث و آثار نقل کیے جاتے ہیں۔(۵۰)

آپ کے ماخذ و مصادر میں زمخشری کی الکشف والبیان، تفسیر ابن عطیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔(۵۱)

جلالین۔ جلال الدین محلی م ۸۶۴ھ/۱۴۵۹ء......

جلال الدین سیوطی م ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء

جلالین، جلال الدین نامی دو علماء و محققین کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ علامہ جلال الدین محلی نے آخری پندرہ پاروں کی تفسیر لکھی۔ اس کی تکمیل کے بعد ان کا ارادہ قرآن کریم کے نصف اول کی تفسیر کا تھا لیکن سورۃ بقرہ کی تفسیر لکھ پائے تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ سورہ بقرہ سے سورہ اسراء کے آخر تک سیوطی نے مکمل کی۔(۵۲)

حاجی خلیفہ کی یہ رائے درست نہیں کہ نصف اول محلی نے اور نصف ثانی سیوطی نے تحریر کیا ہے۔(۵۳)

سیوطی نے محلی کے انداز کو برقرار رکھا ہے اور کسی بھی مقام پر قرآن کریم کی نصف اول اور ثانی کے انداز و اسلوب میں فرق نظر نہیں آتا۔ اس تفسیر کا انداز درمنثور سے مختلف ہے، درمنثور میں روایات کی کثرت ہے جب کہ جلالین میں سیوطی نے بھی اور محلی نے کثرت روایات کی بجائے اختصار کے ساتھ معنی و مراد سمجھانے پر

زور دیا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب نصاب تفسیر میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ علماء و طلبہ جس کثرت سے اس سے استفادہ کرتے ہیں اور طویل عرصہ سے جس طرح یہ داخل نصاب ہے، بیضاوی کے علاوہ یہ شرف کسی اور تفسیر کو حاصل نہیں۔

السراج المنیر۔ شمس الدین محمد بن محمد الشربینی شافعی، احمد البرسی

م ۹۷۷ھ/۱۵۶۹ء

شمس الدین محمد کا شمار شہاب رملی کے تلامذہ میں ہوتا ہے۔ زہد و تقویٰ میں امتیازی مقام حاصل تھا، ۲ شعبان المعظم ۹۷۷ھ/۱۵۶۹ء کو آپ کی وفات ہوئی۔

السراج المنیر

آپ نے اپنی تفسیر میں زمخشری، بیضاوی اور بغوی سے بکثرت استفادہ کیا ہے۔ تنبیہ کے عنوان سے آپ لطیف نکات تفسیر بیان کرتے ہیں۔ یہی نکات آپ کی تفسیر کا امتیاز ہیں۔ مسائل فقہیہ میں اسلوب یہ ہے کہ مسائل اور مسالک بیان کرتے ہیں لیکن اختلاف کی صورت میں دلائل فقہاء کم کم نقل کرتے ہیں۔

اسرائیلی روایات اگرچہ خود نقل نہیں کرتے لیکن ان پر تنقید نہیں کرتے۔ (۵۴)

روح المعانی۔ سید محمد آفندی آلوسی

(۱۲۱۷ھ - ۱۲۷۰ھ / ۱۸۰۲ء - ۱۸۵۳ء)

علامہ آلوسی کا تعلق علماء و محققین کی سرزمین عراق سے ہے آپ علوم نقلیہ و عقلیہ میں گہری دسترس رکھتے تے۔ بے مثل محدث اور بے نظیر مفسر تھے، شافعی المسلک ہونے کے باوجود بعض مسائل میں ابوحنیفہ کی تقلید کرتے تھے۔ ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء کو آپ نے وفات پائی۔ (۵۵)

روح المعانی:

روح المعانی تیرھویں صدی کا سب سے عظیم کارنامہ ہے آپ کی یہ تفسیر، رازی کی تفسیر کبیر کے بعد سب سے بڑی اور سب سے معروف تفسیر ہے۔ اس کتاب میں آپ نے لغوی ونحوی تشریحات و توضیحات کے بعد آیات کے معنی و مراد کی وضاحت کی ہے، مسائل فقہیہ پر بحث کی ہے اور جہاں کہیں ضروری محسوس ہوا، کلامی مسائل پر بھی گفتگو کی۔ علامہ آلوسی کتاب کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"میں نے رجب ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء کی ایک رات ایک خواب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے عالم خواب میں مجھے زمین و آسمان لپیٹنے اور لمبائی چوڑائی میں پائے جانے والے شگافوں کو پاٹنے کا حکم دیا، میں نے ایک ہاتھ آسمان کی جانب اٹھالیا اور دوسرا پانی میں ڈال دیا۔ اور پھر میری آنکھ کھل گئی۔ مین اس خواب کی عظمت سے آگاہ تھا اور اسے پریشان خیالیوں پر محمول کرنے کو تیار نہ تھا۔ میں اس کی تعبیر کی جستجو میں لگ گیا اور پھر میں نے اس کی تعبیر یہ معلوم کی کہ یہ اشارہ ہے کہ مجھے ایک تفسیر لکھنے کا حکم دیا جارہا ہے۔" (۵۶)

چنانچہ اس خواب سے متاثر ہو کر علامہ آلوسی نے ۱۷ شعبان المعظم ۱۲۵۲ھ کو تفسیر کی تالیف کے کام کا آغاز کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۴ سال تھی۔ آپ کی تفسیر سلطان محمود خان بن سلطان عبدالحمید خان کے دور حکومت میں ربیع الثانی ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء میں مکمل ہوئی۔ (۵۷)

اپنی اس تفسیر میں ابن عطیہ، ابوحیان، زمخشری، ابی سعود، بیضاوی اور رازی کے علوم کا نچوڑ قاری کے سامنے رکھ دیا ہے۔ بعض مقامات پر آپ نے اہل سنت والجماعت کی رائے سے اختلاف کیا ہے دیگر مفسرین کی طرح آپ نے بھی اپنی تفسیر میں نحوی مسائل پر گفتگو کی ہے۔ فقہی مسائل میں تعصّبات سے بالاتر ہو کر آپ نے

ائمہ فقہاء کے دلائل نقل کیے ہیں۔ قرات و اسباب نزول سے آپ کو خاص شغف ہے اور اسرائیلی روایات پر آپ سخت تنقید کرتے ہیں۔ آپ کی تفسیر بلاشبہ علم تفسیر کے عروج و کمال کی ایک جھلک پیش کرتی ہے اور تیرھویں صدی میں جب کہ تجدد، عقل پرستی اور فلسفیانہ موشگافیوں کا لوگوں کے ذہنوں پر غلبہ ہے، علماء سلف کے علوم کی روشنی میں ایسی بلند پایہ تفسیر مرتب کرنا یقیناً آلوسی کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔

عہد تدوین کے ابتدائی صفحات میں تفسیری رجحانات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ تفسیر بالماثور اور بالرای المحمود کی تفصیلات گزشتہ اوراق میں گزریں۔ صوفیاء کے طبقہ میں ابو محمد سہل بن عبداللہ بن یونس التستری (۲۰۰ھ۔ ۸۱۵ء/۲۷۳ھ/۸۸۶ء) کی تفسیر القرآن العظیم، ابو عبدالرحمٰن محمد بن الحسین بن موسیٰ سلمی (۳۳۰ھ۔ ۹۴۱ء/۴۱۲ھ۔ ۱۰۲۱ء) کی حقائق التفسیر، ابو محمد شیرازی م۶۶۶ھ عرائس البیان فی حقائق القرآن، نجم الدین دایہ (۶۵۹ھ۔ ۱۲۶۰ء/۷۳۶ھ۔ ۱۳۳۵ء) کی التاویلات النجمیہ کے علاوہ ابن عربی م ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء سے بھی ایک تفسیر منسوب کی جاتی ہے۔ یہ تفسیر شیرازی کی عرائس البیان کے حاشیہ پر مطبوع ہے، ان تفاسیر کے مطالعہ سے مجموعی طور پر جو خصوصیات سامنے آتی ہیں ان کو حسب ذیل نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ تستری اور سلمی کی تفاسیر تمام آیات قرآنیہ کی سلسلہ وار تفسیر نہیں ہیں بلکہ بعض متفرق آیات کی توضیح پر مشتمل ہیں۔ سلمی کی تفسیر کسی قدر ضخیم ہے۔

۲۔ ان دونوں تفاسیر میں تزکیہ نفوس، تنقیہ باطن اور تربیت اخلاق پر زور دیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں بعض بزرگوں کے واقعات بھی نقل کیے گئے ہیں۔

۳۔ ابو محمد شیرازی کی تفسیر کچھ الہامات و اشارات غیبیہ کے ذریعہ قلب ہونے والی واردات کا نتیجہ ہے۔

تفسیر بالرای المذموم یا تفسیر المبتدعین میں معتزلہ، شیعہ اثنا عشری شیعہ زیدیہ اور خوارج کی تفاسیر آتی ہیں۔ جب کہ فلاسفہ کی تفاسیر میں فارابی

(م۳۳۹ھ/۹۵۰ء) اور ابن سینا (۳۷۰ھ-۴۲۸ھ/۹۸۰ء-۱۰۳۶ء) کی تفاسیر شامل ہیں۔ فارابی نے سائنسی نظریات و افکار کی آیات قرآنیہ کی روشنی میں تحقیق کی ہے عموماً اس قسم کے مفسرین کے نزدیک آیات قرآنیہ کی تفسیر سے ان کے سائنس کے مطابق ہونے کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔ اور تفسیر کی صحت اس کا الفاظ کے مفہوم، نبی کریمؐ کی طرف سے واردہ تشریحات، صحابہ و تابعین سے منقول توضیحات کے مطابق ہونا ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ رجحان اگرچہ کم پایا جاتا ہے لیکن موجود ضرور ہے۔

یہ وہ بنیادی میلانات و رجحانات ہیں جو علم تفسیر میں آج بھی بیناد و اساس کا درجہ رکھتے ہیں۔

علم تفسیر کے جدید رجحانات اور خصوصاً برصغیر کے تفسیری رجحانات پر اس سلسلہ کی اگلی کتاب میں بحث ہوگی۔

تاریخ تفسیر کے ابتدائی زمانہ پر مشتمل اِس مختصر تالیف کو ہم یہاں مکمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِن علوم سے فیضیاب فرمائے آمین۔

۲۵/ رمضان المبارك

محمد سعد صديقی ۱۴۲۱ھ

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ ابن خلدون، عبدالرحمن، مقدمہ ٥٤٣

ابن خلدون کا نظریہ اس حد تک درست ہے کہ عرب کی صحراء نشینی کی وجہ سے علوم دینیہ غیر مرتب تھے۔ لیکن اس سلسلہ میں دوسری رائے ہوسکتی ہے کہ ہارون الرشید کے زمانہ میں آیات قرآنیہ کی تفسیر مرتب کرنے اور احادیث کو حطہ تحریر میں لانے کی ضرورت محسوس ہوئی، احادیث کی کتابت کا آغاز تو عہد نبوی و دور صحابہ میں ہی ہوگیا البتہ ان میں ترتیب و تدوین اور سرگرمی عمر بن عبدالعزیز کے دور حکومت میں آئی۔ اسی طرح تفسیر میں تدوین وتحریر کا آغاز ١٤١ھ سے قبل ہوگیا تھا۔ جب کہ ہارون الرشید کا دور بعد میں شروع ہوا۔

۲۔ سیوطی، جلال الدین، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی۔ بیروت، دارالکتب العلمیہ، ١٩٧٩ء ج١ : ص ٥

۳۔ بخاری، محمد بن اسمعیل۔ الجامع الصحیح (٥٠)، بیروت، دار ابن کثیر ج١ : ص٢٧، ٢٨ ۔ باب سوال جبرئیل علیہ السلام (٣٦) کتاب الایمان

٤۔ تفسیر میں صحابہ کا قول بمنزلہ مرفوع روایت ھوتا ھے عام طور پر مفسرین اسی کے قائل ھیں۔

٥۔ سیوطی، جلال الدین۔ الاتقان فی علوم القرآن

٦۔ ابن جریر، ابو جعفر محمد۔ الجامع البیان فی تفسیر القرآن بیروت، دارالمعرفہ، ١٩٨٠ء۔ ج١ : ص ٣١

۷۔ امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں اور ابن جریر نے جامع البیان میں

اس صحیفه سے بکثرت روایات نقل کی هیں۔

۸۔ سیوطی، کتاب و جلد مذکور: ص ۲٤۲

۹۔ ابن جریر۔ حوالہ مذکور

ابن کثیر، اسمعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، بیروت دارالمعرفه، ۱۹٦۹ء ج۱ : ص۳

۱۰۔ الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوك، تدوین و تحقیق محمد ابوالفضل ابراهیم، مقدمه

۱۱۔ حموی، شهاب الدین ابو عبدالله یاقوت، معجم الادباء، بیروت۔ ج ۱۸ : ص٦١

۱۲۔ طبری، تاریخ ۔ ج۱ : ص ۱٤

۱۳۔ طبری، جامع البیان، ج ۱ : ص ۳۲

۱٤۔ ۲ : البقره : ۷۱

۱۵۔ طبری، جامع البیان۔ ج ۱ : ص ۲۸۱، ۸۲

۱٦۔ ذهبی، محمد حسین دکتور، التفسیر والمفسرون، قاهره، دارالکتب الحدیثیه، ۱۹۷٦ء۔ ج ۱ : ص ۲۱۲

۱۷۔ سیوطی، جلال الدین، طبقات المفسرین، بیروت، دارالکتب ، ۱۹۸۳ء ص۸۳

۱۸۔ معجم الادباء۔ ج ۱۸ : ص ٤۲

۱۹۔ سیوطی، حواله مذکور

۲۰۔ طبری، جامع البیان، ج ۱ : ص ۲۵ مقدمه

۲۱۔ حواله مذکور

۲۲۔ ابن خلکان، و فیات الاعیان فی انباء ابناء الزمان۔ ج ۱ : ص ۳۷، ۳۸

۲۳۔ حموی، معجم الاباء۔ ج ٥ : ص ۳۷

۲٤۔ ذهبی، شذرات الذهب فی اخبار من ذهب۔ ج ۳ : ص ۲۳۰، ۳۱

ذهبی، محمد حسین دکتور التفسیر والمفسرون، کراچی، ادارة القرآن، ۱۹۸۷ء، ج ۱: ص ۲۲۷

۲۵۔ ثعلبی نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں جن راویوں کے نام لکھے ہیں ان میں سے اکثر ائمہ اسماء الرجال کے نزدیک ثقہ ہیں۔

۲۶۔ ثعبی، الکشف والبیان۔ ج ۱ : ص مقدمہ

۲۷۔ ابن خلکان۔ وفیات، ج ۱ : ص ۳۷، ۳۸

۲۸۔ حموی، معجم الادباء۔ ج ۵ : ص ۳۷

۲۹۔ ذہبی، التفسیر، المفسون، ج ۱ : ص ۲۳۱ تا ۳۳

۳۰۔ ایضاً : ص ۳٤

۳۱۔ دینوری، ابو حنیفہ، الاخبار الطوال، مصر : ۳۵۷

۳۲۔ ابن تغری بردی، النجوم الزاہرہ، ج ۵ : ص ۲۲۳

۳۳۔ حوالہ بالا

۳٤۔ سیوطی، جلال الدین، طبقات المفسرین ۔ ص ۳۸

۳۵۔ بغوی، معالم التنزیل ، ج ۱ : مقدمہ

۳٦۔ حنبلی، عبدالحئی بن عماد، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، بیروت، دارالمسیرة، ۱۹۷۹ء، ج ٦ : ص ۲۳۱، ۳۲

۳۷۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر ج ۱ : ص ۳، ٤ مقدمہ

۳۸۔ صابونی کی یہ تفسیر دارالقرآن الکریم بیروت سے ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی۔ اہل علم اور علمی اداروں کو ہدیۃً مہیا کی جاتی ہے۔

۳۹۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر، تدریب الراوی فی تقریب النواوی، بیروت، داراحیاء السنتہ النبویہ، ۱۹۷۹ء، ج ۱ : ص ۱۰ تا ۱۵، تحقیق و تدوین، عبدالوہاب عبداللطیف

٤۰۔ سیوطی، در منثور، ج ۱ : ص ۳۰۲

٤۱۔ سیوطی، جلال الدین، طبقات المفسرین، ص ۱۰۰

ابن خلکان، وفیات الاعیان فی انباء ابناء الزمان، بیروت، دار اصادر، ۱۹۷۷ء، ج ۵ : ص ۱٦۸

٤۲ـ رازی، تفسیر کبیر، ج ۱ : ص ۵۹ تا ۱۷۳

٤۳ـ حاجی خلیفه، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، ج۱:ص۲۳۰، ۳۱

٤٤ـ سبکی، طبقات الشافعیه الکبری، ج ۵ : ص ۵۹

٤۵ـ خلیفه، کشف الظنون، ج ۱ : ص ۱۸۸

٤٦ـ ایضاً : عمود ۱۸۸

ذهبی، شذرات الذهب، ج ۵ : ص ۳۹۲

دائودی، طبقات المفسرین ج ۱ : ص ۱۰۲، ۱۰۳

ذهبی، التفسیر المفسرون، ج ۱ : ص ۲۹۷، ۹۸

٤۷ـ ابو حیان، محمد بن یوسف، البحر المحیط، بیروت، دارالفکر، ۱۹۸۳ء، ج ۱ : ص ۱۱

٤۸ـ ابن عربی، ابوبکر محمد بن عبدالله، احکام القران، مطبع السعادة، ۱۳۳۱ھ ـ ج۱ : ص ۱۳۱

٤۹ـ ابوحیان، البحر المحیط، ج ۱ : مقدمه

۵۰ـ حواله مذکور

۵۱ـ ذهبی، التفسیر و المفسرون، ج ۱ : ص ۳۲۰

۵۲ـ ایضاً : ص ۲۳۳

۵۳ـ حاجی خلیفه، کشف الظنون، ج ۱ : ص ٤٤۵

۵٤ـ ذهبی، التفسیر و المفسرون، ج ۱ : ص ۳۳۸

۵۵ـ ذهبی، التفسیر والمفسرون، ج ۱ : ص ۲۵۲، ۵۳

۵٦ـ آلوسی، سید محمود البغدادی، روح المعانی، ملتان، مکتبه امدادیه ـ ج ۱ : ص ٤ مقدمه

۵۷ـ ذهبی، کتاب و جلد مذکور: ص ۳۵۲

ماخذ ومصادر

۱۔ آلوسی، شہاب الدین محمود، روح المعانی فی تفسیر القران العظیم والسبع المثانی، بیروت، دار احیاء، (س ن)

۲۔ ابن اثیر، اسد الغابة فی معرفة الصحابة، شهر نامعلوم، المکتبة الاسلامیة (س ن)

۳۔ ابن تغری بردی، النجوم الزاهرة۔

۴۔ ابن حجر العسقلانی، علی بن سلطان، الاصابه فی تمییز الصحابة، بیروت، داراحیاء، ۱۳۲۸ھ۔

۵۔ ایضاً، تهذیب التهذیب، حیدر اباد دکن، دائرة معارف ۱۳۲۵ھ۔

۶۔ ایضاً، فتح الباری بشرح صحیح البخاری۔

۷۔ ابن خلدون، عبدالرحمن، مقدمه ابن خلدون، بیروت، موسسة الاعلمی، (س ن)

۸۔ ابن خلکان، و فیات الاعیان، فی انباء ابناء الزمان، بیروت، دارا صادر ۱۲۹۷ھ۔

۹۔ ابن سعد، محمد، الطبقات الکبری، بیروت، داراصادر، (س ن)

۱۰۔ ابن عربی، محمد بن عبدالله، احکام القرآن، بیروت، مطبع السعادة، دار المعرفة، ۱۳۷۸ھ۔

۱۱۔ ابن کثیر، اسمعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، بیروت، دارالمعرفة، ۱۹۶۹ء

۱۲۔ ابن منظور افریقی، لسان العرب، قاهره، دارالمعارف، (س ن)

۱۳۔ ابن هشام، ابو محمد عبدالملک، السیرة النبویة، بیروت، داراحیاء، (س ن)

۱۴۔ ابوحیان، محمد بن یوسف، البحر المحیط، بیروت، دارالفکر، ۱۹۸۳ء۔

۱۵۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، کتاب السنن، بیروت، دارالفکر، (س ن)

۱۶۔ احمد امین مصری، فجر الاسلام، بیروت، دارالکتاب العربی ۱۹۶۷ء۔

۱۷۔ احمد بن حنبل، المسند بیروت، دارالقلم، ۱۹۷۸ء۔

۱۸۔ اصبہانی، ابونعیم، حلیة الاولیاء و طبقات الاصفیاء، بیروت، دارالکتب ۱۹۸۰ء۔

۱۹۔ بغوی، ابو محمد الحسین بن مسعود، معالم التنزیل، (تفسیر البغوی) ملتان، اداره تالیفات اشرفیه ۱۹۸۳ء۔

۲۰۔ ترمذی، محمد بن عیسی، الجامع الصحیح، ملتان، نشر السنة (س ن)

۲۱۔ ثعالبی، الکشف والبیان، بیروت، موسسة الاعلی (س ن)

۲۲۔ جزری، محمد بن محمد، غایة النهایة فی طبقات القراء، بیروت، دارالکتب العلمیة ۱۹۳۲ء۔

۲۳۔ جوهری، الصحاح، بیروت، دارالعلم، ۱۹۵۶ء۔

۲۴۔ حاجی خلیفه، مصطفی آفندی، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، بیروت، مکتبه مثنی (س ن)

۲۵۔ حاکم، المستدرك علی الصحیحین، حیدر آباد دکن، دائرة معارف، ۱۳۴۱ھ۔

۲۶۔ حنبلی، ابوالفلاح عبدالحئی بن عماد، شذرات الذهب فی اخبار من ذهب، بیروت، دارالمسیرة، ۱۹۸۹ء۔

۲۷۔ داودی، طبقات المفسرین،

۲۸۔ دینوری، ابوحنیفه، الاخبار الطوال، مصر،

۲۹۔ ذهبی، ابوعبدالله محمد بن احمد عثمان، العبر فی خبر من غبر، بیروت، دارالکتب (س ن)

۳۰۔ ذهبی، ابوعبدالله تذکرة الحفاظ، بیروت، دارالفکر (س ن)

۳۱۔ ذهبی، محمد حسین دکتور، التفسیر والمفسرون، قاهره، دارالکتب الحدیثیة، ۱۹۷۶ء۔

۳۲۔ رازی، مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) طهران، دار الکتب (س ن)

۳۳۔ راغب اصفہانی، مفردات فی غریب القرآن۔

۳۴۔ زرکشی، بدر الدین محمد بن عبداللہ، البرہان فی علوم القرآن بیروت، دارالفکر، ۱۹۸۰ء۔

۳۵۔ سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبری، بیروت، دارالمعرفۃ (س ن)

۳۶۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمن، الاتقان فی علوم القرآن، لاہور، سہیل اکیڈمی، ۱۹۸۲۔

۳۷۔ ایضاً، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۷۹ء تحقیق و تدوین، عبدالوہاب عبداللطیف۔

۳۸۔ ایضاً، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، بیروت، دارالمعرفۃ (س ن)

۳۹۔ ایضاً، طبقات المفسرین بیروت، دارالکتب، ۱۹۸۳ء۔

۴۰۔ شاہ عبدالعزیز، فتح العزیز۔

۴۱۔ صابونی، محمد علی، مختصر تفسیر ابن کثیر، بیروت، ادارۃ النشر، ۱۹۸۱ء۔

۴۲۔ الطبری، ابن جریر ابو جعفر محمد، تاریخ الامم والملوک، تدوین و تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم دمشق، دارالفکر۔

۴۳۔ ایضاً، جامع البیان فی تفسیر القرآن، بیروت، دارالمعرفۃ ۱۹۸۰ء۔

۴۴۔ محمد ادریس کاندھلوی، مولینا، مقدمۃ التفسیر، مخطوط۔

۴۵۔ یاقوت الحموی، شہاب الدین ابو عبداللہ معجم الادباء، بیروت، دار المنتشرہ (س ن)

☆☆☆☆☆

مطبوعات

کلیۂ علوم اسلامیہ و شرقیہ۔ پنجاب یونیورسٹی

☆ آثار الاولیاء	پروفیسر ڈاکٹر سید محمد اکرم
☆ داستانوں کی علامتی کائنات	ڈاکٹر سہیل احمد خان
☆ معاصر اردو ادب	ڈاکٹر تحسین فراقی
☆ تفہیم و تجزیہ	ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
☆ توضیحات	ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری
☆ جہات	ڈاکٹر زاہد منیر عامر
☆ مسئلہ کشمیر۔ ایک تاریخی جائزہ	خواجہ شکیل احمد

☆ The Life & Works of Abul`Abbas Al Mubarrad.
Prof.Dr. Zulfaqar Ali Malik

☆ Modern Trends in Tafsir Literature- Miracles
Prof. Dr. Bashir A. Siddiqui

☆ A Critical Study of al-Baladhuri As a Historian
Prof. Dr. Amanullah Khan.

☆ Studies in Hadith
Prof. Dr. Jamila Shaukat

مطبوعات
کلیۂ علوم اسلامیہ و شرقیہ ۔ جامعہ پنجاب

☆ کتاب التعازی والمراثی للمبرد

تحقیق و تعلیق د .ذوالفقار علی ملک

☆ کتاب القرط علی الکامل

تحقیق و تعلیق د.ظهور احمد اظهر

☆ مسند عائشة بنت ابی بکر الصدیق

تحقیق و تعلیق د.جمیله شوکت

☆ دیوان خلیق

ڈاکٹر نسرین اختر

☆ الاضواء علی تعلیم اللغة العربیة فی باکستان

د.خالق داد ملک

☆ تخریج أحادیث کشف المحجوب

د.خالق داد ملک

☆ معین الطریقت

ترجمه و حاشیه: معین نظامی

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

کلیۂ علوم اسلامیۃ و شرقیۃ
جامعہ پنجاب ○ لاہور